
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نظامِ زندگی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نظامِ زندگی

جس میں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک اور حلیہ مبارک پیش کیا گیا ہے اور حضور اکرمؐ کی حیاتِ مقدسہ کے وہ پاکیزہ واقعات بیان کئے گئے ہیں جن کے مطالعہ کے بعد حضور رسولِ مقبولؐ کی پوری زندگی آئینہ کی طرح سامنے آجاتی ہے۔

از

خواجہ عبدالقدوس صدیقی

ناشر

محمد سعید اینڈ سنز تاجران کتب
قرآن محل مقابل مولوی مسافر خانہ کراچی
نا مجتبہ پ تقلید راہ علی

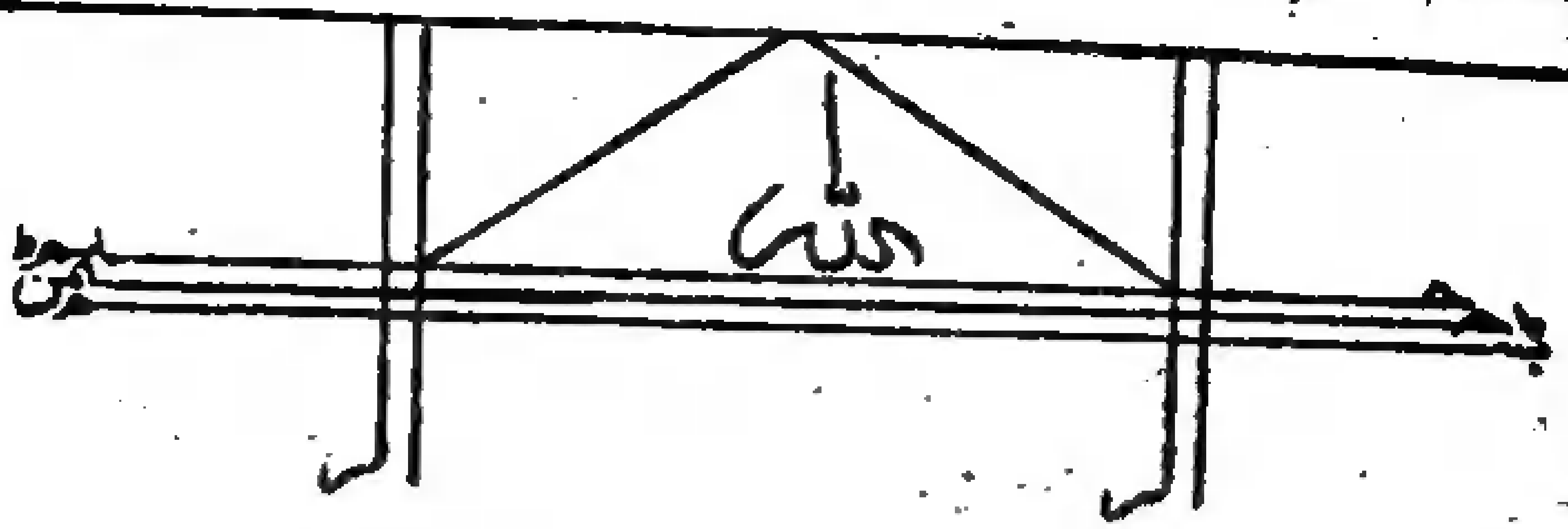
مطبوعہ مطبع سعیدی قرآن محل، کراچی

محمد سعید اینڈ سنز تاجران کتب
مقابل مولوی مسافر خانہ — کراچی

قیمت ۳.۰۰

فہرست مضامین





محمد محمد ۔ محمد محمد صلی اللہ علیہ وسلم

پیارے نبی کی قلمی تصویر

"محمد۔ محمد۔ محمد۔ محمد"۔ وہ پیارا نام ہے جو ذات باری کو سب سے زیادہ محبوب ہے۔ یہ وہ مقدس نام ہے جس کے سامنے لوح، قلم، عرش، کرسی اور ملائکہ سب ادب سے جھک جاتے ہیں اسی متبرک نام کی خاطر ساری کائنات پیدا ہوئی اور یہ دنیا عالم وجود میں آئی چشم حقیقت گواہ ہے۔ کہ حضرت آدم ؑ کے خاکی مجسمہ میں روح داخل ہوتے ہوتے جب گھبرائی تو نور محمدی کی کشش نے روح کو کالبد خاکی میں کھینچ کر خاکی پتلہ کو انسان بنا دیا۔ اور پھر یہی نور محمدی یکے بعد دیگرے برگزیدہ انبیاء میں منتقل ہوتا ہوا حضرت آمنہ کے بطن سے جب عرب کی سرزمین پر جلوہ گر ہوا تو اس نور کے جلوہ سے ساری دنیا جگمگا اٹھی۔

محمد کی پیاری صورت کے بارے میں کیا بتاؤں۔ تصویر کی آنکھ جب اس محبوب حقیقی کو دیکھتی ہے تو مبہوت بن کر رہ جاتی ہے بشکل انسانی میں ایک ایسا نور جلوہ گر ہے جس کی مثال نہ دنیا نے کبھی دیکھی ہے اور نہ دیکھے گی سچ تو یہ ہے کہ نور ازلی ہے جسے انسانی پیکر میں ڈھال دیا گیا ہے۔ گو دیکھنے میں گوشت اور

پوست کا ایک حسین مجسمہ ہے۔ لیکن خدا ہی جانتا ہے کہ حقیقت میں کیا ہے۔

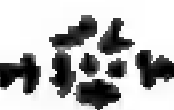
قدِ زیبا سرو کی طرح موزوں۔ ایسا موزوں کہ ہفت ہزار عالم کے حسینوں کو اس قدِ موزوں پر قربان کیا جاسکتا ہے۔ رنگ گلاب کی نوخیز کلیوں کی طرح ایسا شگفتہ کہ یہ معلوم ہوتا ہے جیسے باغ جناں کے تمام پھولوں کی رنگینیوں نے ایک پیکر انسانی کی شکل اختیار کرلی ہو۔ خمدار زلفیں شانوں پر اس طرح جھومتی ہوئی جیسے حوضِ کوثر پر فردوسی گھٹائیں برسنے کے لئے مضطرب ہوں۔

قربان اس بلند پیشانی کے جو بدرِ مُنیر کی طرح منور ہے۔ اور صدقے اس ابروئے خمدار کے جو خنجر ہلالی کی طرح کھنچی ہوئی ہیں۔ اور حسین آنکھوں کے بارے میں کیا بتاؤں۔ یہ نشۂ وحدت میں ایسی سرشار ہیں کہ جس نے دیکھا مست ہوگیا اور پتلے پتلے لب مبارک جیسے پھولوں کی پنکھڑیاں جن پر مسکراہٹ کھیل رہی ہو اور ان حسین لبوں میں دُرِّ عدن کی طرح چمکتے ہوتے دندانِ مبارک

آواز میں لحن داؤدی تکلم میں جادو۔ دل میں انسانیت اور ہمدردی کا سمندر موجزن۔ غرض کہ آپ کی ذات اقدس دنیا کے لئے سرتاپا رحمت۔ آپ نہ آتے تو یہ دنیا ہی عالمِ وجود میں نہ آتی۔ اور آپ آئے تو دنیا کی تاریکیاں نور میں بدل گئیں۔ کفر کی ظلمتیں مٹ گئیں۔ اور یہ تاریک دنیا ایمان کی روشنی سے جگمگا اُٹھی۔

قربان اس چشم تصور کے جس کے آئینہ میں پیارے محبوب کا جلوہ دیکھ کر میں یعنی گناہ گار امتی عقیدت سے حضورؐ کے قدموں پر سر رکھ رہا ہوں اور وہ سعادت حاصل کر رہا ہوں جو دنیا کی سب سے بڑی سعادت ہے۔

رسولِ خدا صلعم کا سراپا



شمع رسالت کے وہ پروانے جو دل کی آنکھوں سے اپنے پیارے رسول کا جمال دیکھنا چاہتے ہیں انکے لئے ذیل میں آقائے دوجہاں کا حلیہ مبارک درج کیا جاتا ہے۔ تاکہ وہ اس حلیہ مبارک کی مدد سے اپنے محبوب کا جمال دل کی آنکھوں سے دیکھ سکیں۔

رنگ وروپ:۔ بھرا ہوا جسم۔ سُرخ وسفید رنگ۔ وجاہت اور سطوت کا مجسمہ۔ انتہائی حسین وجمیل ہونے کے باوجود رعب اور دبدبہ کا یہ عالم کہ کیا مجال کہ چہرہ مبارک کی جانب نظر کرنے کی جرات ہوسکے۔ قد میانہ اور نہایت موزوں پسینہ خوشبو میں ڈوبا ہوا جس کپڑے میں لگ جاتا تھا آگ اثر نہیں کرتی تھی

سر مبارک:۔ بلند وبالا۔ سیاہ گیسوئے عنبریں۔ بعض کے نزدیک کانوں کی لو تک اور بعض کے نزدیک دوش مبارک تک لہراتے ہوئے ایسی خوشبو سے معطر کہ جدھر آپ گذر جاتے تھے ساری فضا معطر ہوجاتی تھی۔

چہرہ مبارک:۔ ایسا نورانی جس کے مقابلہ میں چودھویں رات کا

چاند بھی ماند دکھائی دیتا تھا۔ ایک روز حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی سوئی گم ہوگئی۔ آپ تشریف لائے تو مکان ایسا روشن ہوگیا کہ سوئی مل گئی۔

پیشانی مبارک:۔ منور اور کشادہ۔ ابرو خمدار۔ آنکھیں نرگسی پتلی سیاہ اور سفیدی میں ہلکے ہلکے گلابی ڈورے۔ قوت باصرہ اتنی قوی تھی کہ آپ آسمان پر ثریا کے گیارہ ستارے جو بے حد چھوٹے ہوتے ہیں آسانی سے گن لیتے تھے

رخسار مبارک:۔ بھرے ہوئے گلاب کے پھول کی طرح درخشاں۔ جن میں بلا کی کشش تھی۔

بینی مبارک:۔ بلند اور دراز لیکن نہایت موزوں۔

گوش مبارک:۔ نہایت خوبصورت جن سے ہر وقت سرخی جھلکتی تھی۔

دہن مبارک:۔ بے حد حسین وجمیل۔ لعاب دہن اس قدر شیریں تھا کہ حضرت انسؓ کے گھر میں ایک کھاری کنواں تھا۔ اس میں لعاب دہن کا ایک قطرہ پڑ گیا تو بے حد شیریں ہوگیا۔

دندانِ مبارک:۔ سچے موتیوں کی طرح درخشاں تھے باتیں کرتے ہوئے ان سے نور جھڑتا تھا۔

لب مبارک:۔ گلاب کی دو حسین پتیوں کی طرح نہایت ہی نازک اور خوبصورت

ریش مبارک:۔ سیاہ۔ بے حد گھنی اور سینہ تک دراز تھی۔

گردن مبارک:۔ نہایت خوبصورت صراحی دار جو چاند کی طرح چمکتی تھی۔

سینہ مبارک:۔ صاف اور فراخ اور عریض تھا جس سے شجاعت ٹپکتی تھی۔

شکم مبارک :۔ سینہ کی برابر تھا۔ اور سینے سے ناف تک ایک باریک خط مو کار نقاش ازلی کی نقاشی کا شاہکار تھا۔

دست مبارک :۔ زانو تک دراز تھے۔ بازو گول گول قدرت کی صناعی کا لاجواب نمونہ اور ہاتھ کی انگلیاں نہایت حسین۔ ہتھیلیاں گوشت سے پر اور سرخ تھیں۔

پائے مبارک :۔ چلنے میں زمین سے اونچے رہتے تھے۔ پنڈلیاں نہایت خوبصورت تھیں اور پائے مبارک بھی نہایت خوبصورت تھے۔

غرضکہ آقائے دوجہاں حسن و جمال میں قدرت کی فنِ کاری کا ایک شاہکار تھے حُسن اور وجاہت دونوں چیزیں خدا نے آپکو عطا کی تھیں۔

رسول اللہ صلعم کی سوانح مبارک

حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد میں ایک بزرگ "قریش" نامی ہوئے ہیں جن کی اولاد خاندانِ قریش کے نام سے مشہور ہے۔ ہمارے پیارے نبی محمد رسول اللہ صلعم اسی خاندانِ قریش سے تعلق رکھتے ہیں۔ نبو قریش کو نہ صرف مکہ میں بلکہ سارے عرب میں غیر معمولی عزت و وقعت حاصل تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت اسمٰعیل کی اولاد ہونے کی وجہ سے "قریش" چونکہ خانہ کعبہ کے متولی تھے اس لئے سارے ملک عرب پر اعلیٰ دینی حکومت قائم تھی۔ اور خاندانِ قریش کو سرزمینِ عرب میں وہی درجہ حاصل تھا جو کسی شاہی خاندان کو حاصل ہو سکتا ہے۔

ملکِ عرب میں کسی خاص فرد یا خاندان کی بادشاہت تو تھی نہیں اس لئے دینی اور دنیاوی دونوں صورتوں میں خاندان قریش ہی سب سے زیادہ ممتاز تھا۔ سب اسی خاندان کو اپنا حاکم اور رہنما سمجھتے تھے چنانچہ عرب کے سارے قبیلے اور سردار خاندانِ قریش کا بے حد احترام کرتے تھے اور انکے حکم کو ماننا اپنا فرض سمجھتے تھے۔ عرب کے مختلف قبیلوں میں جب کسی قسم کا جھگڑا ہوتا تو قریش ہی ان کا تصفیہ کراتے تھے۔

محمد رسول اللہ کا خاندان بتخانہ کا محافظ

رسول اللہ صلعم کی پیدائش سے قبل عربوں کا مذہب بڑا عجیب وغریب مذہب تھا۔ عربوں کی حالت یہ تھی کہ ایک طرف تو وہ نماز پڑھتے تھے روزے رکھتے تھے۔ حج کرتے تھے اور خدا کو مانتے تھے۔ دوسری جانب وہ بتوں کی پرستش بھی ضرور کرتے تھے۔ کیونکہ انکا عقیدہ تھا کہ وہ بتوں کے ذریعہ ہی خدا تک پہنچ سکتے ہیں۔ اسی لئے انہوں نے خانہ خدا یعنی خانہ کعبہ میں تین سو ساٹھ بت لاکر رکھ دئے تھے۔ یعنی انہوں نے دین ابراہیمی اور بت پرستی کو ملاکر ایک نیا مذہب بنایا تھا۔

اس عجیب وغریب مذہب کی رہنمائی بھی خاندان قریش ہی کر رہا تھا۔ چونکہ وہی صدیوں سے خانہ کعبہ کا متولی چلا آتا تھا۔ جب خانہ کعبہ بُت خانہ بن گیا تو یہی خاندان اس بت خانہ کا محافظ اور نگران قرار دیا گیا۔ چنانچہ اسی خاندان کے بنائے ہوئے نئے مذہب کے اصولوں کے مطابق عرب کے باشندے بُت پرستی کیا کرتے تھے۔

رسول اللہ کے خاندان کے عربوں پر احسانات

رسول اللہ صلعم کے خاندان قریش نے عربوں کی خوشحالی اور آزادی کے لئے بڑے بڑے کارنامے انجام دیتے ہیں۔ چنانچہ رسول اللہ صلعم کے پردادا ہاشم بن عبد مناف جب مکہ کے حاکم اور خانہ کعبہ کے متولی قرار دئے گئے تو انہوں نے یمن اور شام سے سلسلہ تجارت جاری کرکے اپنے ملک کو خوب خوشحال بنادیا۔

ہاشم بن عبد مناف کے انتقال کے بعد جب رسول اللہ صلعم کے دادا خواجہ عبد المطلب جانشین قرار پائے تو انکے چچازاد بھائی امیہ نے اُنکی بڑی مخالفت کی چونکہ امیہ یہ چاہتے تھے کہ عبد المطلب کی بجائے انکو خانہ کعبہ کا متولی اور سردار بنایا جائے۔ لیکن سارا عرب رسول اللہ کے دادا حضرت عبد المطلب کا حامی تھا۔ اس لئے وہی سردار منتخب ہوتے اور امیہ کو ناکامی ہوئی جس کی وجہ سے خاندانِ امیہ آخر وقت تک رسول اللہ کے خاندان کا دشمن بنا رہا۔

حضرت عبد المطلب ۵۲۰ء سے ۵۷۹ء تک تک خانہ کعبہ کے متولی اور مکہ کے حاکم رہے۔ انہوں نے عربوں کو خانہ جنگی کی لعنت سے پاک کیا۔ اور انہیں متحد کر کے ملک عرب کی بہت بڑی خدمت انجام دی تھی کہ انہوں نے نہایت تدبر اور ہوشمندی سے کام لیکر ملک کو ان تمام بیرونی حملہ آوروں سے بچا لیا۔

جو عرب کی خانہ جنگی سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوتے اس ملک کو ہضم کر جانا چاہتے تھے۔ چنانچہ جب شمال سے رومی عیسائیوں نے مشرق سے ایرانیوں نے اور جنوب سے حبشیوں نے عرب پر حملے شروع کئے تو عبد المطلب بن ہاشم کی سرکردگی میں تمام عربوں نے متحد ہو کر ان حملہ آوروں کو پسپا کر دیا۔

اور اس کے بعد کسی بیرونی حملہ آور کو عرب پر حملہ کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔

محمد رسول اللہ صلعم کے والدِ محترم اور والدہ محترمہ

رسول اللہ صلعم کے دادا حضرت عبدالمطلب کے تیرہ بیٹے اور پانچ بیٹیاں تھیں۔ جن بیٹوں کے نام تاریخ میں ملتے ہیں وہ یہ ہیں۔

رسول اللہ صلعم کے والدِ محترم حضرت عبداللہ، حضرت ابوطالب حضرت عباسؓ، حضرت حمزہؓ۔ زبیر۔ اور ابولہب۔

رسول اللہ صلعم کے والدِ محترم حضرت عبداللہ خواجہ عبدالمطلب کے تمام بیٹوں میں سب سے زیادہ خوبصورت اور لائق فائق تھے۔

حضرت عبداللہ کے متعلق ایک دلچسپ واقعہ مشہور ہے کہ حضرت کے والد خواجہ عبدالمطلب نے کعبے کے بتوں کے روبرو اپنے ایک بیٹے کی قربانی کی نذر مانی تھی۔ جب قرعہ ڈالا گیا تو اس میں عبداللہ کا نام نکلا۔ حضرت عبدالمطلب تو بیٹے کی قربانی کے لئے تیار ہو گئے۔ مگر قریش ایسے لائق شخص کو قربان کرنے کے لئے تیار نہ ہوئے۔ اور انہوں نے طے کیا کہ اس معاملہ میں ایک کاہنہ سے جو عراقہ کے نام سے مشہور تھی۔ مشورہ کیا جائے جو وہ کہے وہی کرنا چاہیئے۔

اس کاہنہ نے مشورہ دیا کہ حضرت عبداللہ کے نام کے ساتھ دس اُونٹ ذبح کرنے کا قرعہ ڈالا جائے۔ اور ایسا ہی اس وقت تک لیا جائے جب تک کہ قرعہ اونٹوں کے نام پر نہ نکل آئے۔ چنانچہ جب کاہنہ کی ہدایت کے مطابق قرعہ ڈالا گیا۔ تو نو مرتبہ مسلسل حضرت عبداللہ

کے نام پر قرعہ نکلا اور دسویں مرتبہ اونٹوں کے نام پر برآمد ہوا جس کے بعد سو اونٹ فدیہ کے طور پر ذبح کئے گئے۔ اور حضرت عبد اللہ قربانی سے بچ گئے۔

اس واقعہ سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ رسول اللہ صلعم کی پیدائش سے قبل خود رسول اللہ صلعم کے گھرانے میں کیسی [redacted] تھیں۔

اس قربانی سے نجات پانے کے بعد ۲۵ سال کی عمر میں حضرت عبداللہ کی شادی حضرت آمنہ کے ساتھ ہوگئی۔ جو خاندان قریش کے ایک سردار کی نہایت ہی ہونہار صاحبزادی تھیں۔

رسول اللہ صلعم کی پیدائش اور بچپن

رسول اللہ صلعم ابھی بطن مادر ہی میں تھے کہ آپ کے والد محترم حضرت عبد اللہ کا اچانک انتقال ہو گیا۔ گویا آپ پیدا ہونے سے پہلے ہی یتیم ہو گئے۔

آپ اپنے والد کی وفات کے دو ماہ بعد ۱۲ ربیع الاول سنہ ۱م میلادی ۵۷۰ء عیسوی میں پیدا ہوئے۔ آپ کے پیدا ہوتے ہی ایک نور ظاہر ہوا۔ جس سے سارا ملک روشن ہو گیا۔

ولادت کے فوراً بعد آپ نے اپنا سر آسمان کی طرف اٹھا کر فرمایا اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَلَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اَنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ آپ کی پیدائش کیوقت زمین لرز گئی۔ دریائے دجلہ اس قدر اٹھا کہ اس کا پانی کناروں سے ابلنے لگا۔

زلزلہ سے کسریٰ کے محل کے چودہ کنگرے گر گئے۔ آتش پرستوں کا آتش کدہ جو ہزاروں برس سے روشن تھا خود بخود بجھ گیا۔ آپ قدرتی طور پر مختون پیدا ہوئے تھے اور آپکے دونوں شانوں کے درمیان مہر نبوت تھی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہایت تن ومند اور تندرست پیدا ہوئے۔ آپ کے جسم میں بڑھنے کی قوت آپ کی عمر کے مقابلہ میں بہت زیادہ تھی جب آپ تین مہینہ کے ہوئے تو کھڑے ہونے لگے۔ جب سات مہینے کے ہوئے تو چلنے لگے۔ اور ایک سال کی عمر میں آپ تیر کمان لئے بچوں کے ساتھ دوڑے دوڑے پھرتے تھے۔ اور ایسی باتیں کرتے تھے کہ سننے والوں کو آپ کی عقلمندی پر تعجب ہوتا تھا۔

آپ کی والدہ حضرت آمنہ نے شرفائے عرب کے دستور کے مطابق آپ کی پیدائش کے چند روز بعد ہی آپ کو قبیلہ بنی سعد کی ایک خاتون حلیمہ کے سپرد کر دیا۔ تاکہ وہ آپ کو بطور دایہ دودھ پلائیں۔ اور پرورش کریں آپ چار سال تک حلیمہ سعدیہ کی زیر نگرانی پرورش پاتے رہے۔ آپ جب تک حلیمہ سعدیہ کے قبیلہ میں رہے۔ اس علاقے کے کنویں اور چشمے کبھی خشک نہ ہوئے۔ کھیت برابر سرسبز اور شاداب رہے۔ اور آپ کی برکت کی وجہ سے حلیمہ سعدیہ کے مویشیوں اور زراعت میں خوب ترقی ہوئی

جب آپکی عمر چار برس کی ہوگئی تو حلیمہ سعدیہ آپ کو مکہ لے آئیں اور حضرت آمنہ کے سپرد کر دیا۔ دو برس کے بعد جب کہ آپ کی عمر چھ سال کی تھی تو آپکی والدہ آپ کو ہمراہ لے کر اپنے عزیز واقارب سے ملنے مدینہ

تشریف لے گئیں۔ ایک مہینے رہ کر جب وہاں سے واپس ہوئیں تو اثنائے راہ میں ابوا کے مقام پر ۶ سنہ میلادی (۵۷۶ء) میں حضرت آمنہ کا انتقال ہوگیا۔

یعنی آپ ماں کے سایہ سے بھی محروم ہوگئے۔ والدہ محترمہ کے انتقال کے بعد آپ کی پرورش آپ کے دادا عبدالمطلب کی زیرِ نگرانی ہونے لگی لیکن دو سال کے بعد جبکہ آپ کی عمر آٹھ سال کی تھی۔ آپ کے دادا عبدالمطلب بھی ۹ سنہ میلادی (۵۷۸ء) میں وفات پاگئے۔ آپ کے دادا نے مرنے سے پہلے ہی آپ کو اپنے بڑے بیٹے ابوطالب کے سپرد کر دیا تھا۔ آپ کے چچا ابوطالب بڑی محنت اور شفقت کے ساتھ آپ کی پرورش فرماتے رہے! ابوطالب باپ کے مرنے کے بعد مکہ کے حاکم اور خانہ کعبہ کے متولی قرار دیدئے گئے تھے۔ آپ کو خواجہ عبدالمطلب کی طرح سارے ملکِ عرب میں بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔

ابوطالب رسول اللہ صلعم کو اپنے بچوں سے بڑھ کر عزیز رکھتے تھے رسول اللہ صلعم کی عمر بارہ سال کی تھی۔ کہ ابوطالب جب تجارتی قافلہ لے کر جانے لگے تو آپ کو بھی اپنے ہمراہ ۱۳ سنہ میلادی (۵۸۲ء) میں ملکِ شام لے گئے جب قافلہ بصرہ پہنچا تو بحیرا نامی عیسائی راہب نے آپ کو دیکھ کر ابوطالب سے کہا کہ " آپ کا یہ بھتیجہ نبی آخرالزماں ہے اس میں وہ تمام علامتیں موجود ہیں جو توریت اور انجیل میں لکھی ہوئی ہیں ــــ یہودی انکے دشمن ہیں انکو اُن سے بچاؤ۔ مناسب یہ ہے کہ تم انکو آگے نہ

لیجاؤ" ابو طالب نے بحیرا راہب کی یہ باتیں سن کر اپنا مال جلدی جلدی وہیں فروخت کر دیا جس میں کہ انکو بے اندازہ نفع ہوا۔ اور آپکو لے کر فوراً مکہ واپس چلے آئے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہلی مرتبہ جس جنگ میں شریک ہوئے وہ عکاظ کی جنگ تھی جو حرب فجار کے نام سے مشہور ہے یہ جنگ قبیلہ قریش وکنانہ اور ہوازن کے درمیان عکاظ کے مقام پر ۵۸۶ء میلادی (۵۸۹ء) میں ہوئی تھی۔ اس زمانہ میں آپکی عمر پندرہ سال تھی۔ اس جنگ میں آپ نے صرف اس قدر حصہ لیا کہ آپ اپنے چچا زبیر کو تیر اٹھا اٹھا کر دیتے جاتے تھے۔ اس جنگ میں رسول اللہ کے قبیلہ والوں کو شاندار فتح حاصل ہوئی۔

محمد رسول اللہ صلعم کی جوانی

رسول اللہ صلعم کیونکہ تجارت پیشہ خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ اس لئے جب آپ جوان ہوئے تو آپکو بھی تجارت میں حصہ لینا پڑا۔ آپ تجارتی قافلوں کے ہمراہ قریب کے علاقوں میں مال تجارت لے کر آنے جانے لگے۔ کاروباری معاملات میں آپکی دیانت اور خوش معاملگی کی اس قدر شہرت ہوئی کہ آپ نہ صرف مکہ میں بلکہ سارے عرب میں "صادق القول اور آمین" کے لقب سے پکارے جانے لگے۔ اسی زمانے میں ایک مالدار بیوہ خاتون رہتی تھیں جنکا نام خدیجہ تھا۔ یہ خاتون شام عراق اور یمن کے مالک سے ایک بڑے پیمانے پر تجارت کیا کرتی تھیں —— انہوں نے جب رسول اللہ صلعم کی امانت اور دیانت کی شہرت سنی تو اپنا سارا کاروبار آپکے سپرد کر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اعلیٰ کارکردگی اور دیانت کی وجہ سے خدیجہ کو اس قدر فائدہ ہوا کہ اس سے قبل کبھی نہیں ہوا تھا۔

محمد رسول اللہ صلعم سے حضرت خدیجہ کا نکاح

رسول اللہ صلعم

کی دیانت، شرافت، اور خوش معاملگی نے تو پہلے ہی خدیجہ کو رسول اللہ صلعم کا گرویدہ بنا دیا تھا۔ لیکن جب خدیجہ کے غلاموں اور کارکنوں نے اُن سے وہ معجزات بیان کئے جو انہوں بار ہا رسول اللہ صلعم کے ساتھ دورانِ سفر میں دیکھے تھے۔ تو خدیجہ نے آپ سے نکاح کی خواہش ظاہر کی خدیجہ اس سے قبل دو نکاح کر چکی تھیں اور انکے دونوں شوہر فوت ہو چکے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس معاملہ میں اپنے چچا ابوطالب سے مشورہ کیا۔ جب آپ کے چچا نے نکاح کی اجازت دیدی تو ۲۶ سنہ میلادی (۵۹۵ء) میں حضرت خدیجہ کا آپکے ساتھ نکاح ہوگیا۔ نکاح کے وقت رسول اللہ صلعم کی عمر پچیس سال تھی اور حضرت خدیجہ کی عمر چالیس سال تھی حضرت خدیجہ کے بطن سے آپ کے چار بیٹیاں اور تین بیٹے ہوتے جن کے نام طیب۔ طاہر۔ اور قاسم تھے۔ اسی وجہ سے آپکو ابوالقاسم کہتے ہیں۔ یہ تینوں بیٹے بچپن ہی میں فوت ہو گئے۔

عرب کے تمام قبائل میں آپکی غیر معمولی عزت

رسول اللہ صلعم اپنے اعلیٰ کردار کی وجہ سے نہ صرف قبیلہ قریش میں بلکہ عرب کے تمام دوسرے قبائل میں بڑی عزت کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔ سب آپ سے محبت کرتے تھے۔ آپ اگرچہ امی تھے مگر عقل و رائے میں یگانۂ روزگار خیال کئے جاتے تھے۔ نہایت خوش مزاج تھے۔ آپ کا اخلاق نہایت ہی پاکیزہ تھا۔ لغویات کبھی زبان سے نہ نکالتے تھے۔ حقوق کے فیصلہ کے وقت امیر، غریب، عزیز

اور غیر میں کبھی کوئی امتیاز نہ فرماتے تھے۔ مساکین اور مظلوموں کے بہت بڑے ہمدرد تھے۔ آپ کا سب سے پہلا قومی کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے ۲۸ سنہ میلادی (سنہ ۵۹۷ء) میں امداد مظلومین کے لئے ایک ایسی انجمن کو خوب ترقی دی۔ جس کا مقصد یہ تھا کہ ملک سے بدامنی دور کی جائے۔ مظلوموں کی مدد اور ظالموں کو سزا دی جائے۔ غریبوں اور مسافروں کی امداد اور حفاظت کی جائے۔

خانہ کعبہ کی مرمت کے وقت عرب کے مختلف قبائل کے سرداروں میں سے ہر سردار یہ چاہتا تھا کہ سنگِ اسود کو اپنے ہاتھ سے رکھنے کی عزت صرف اسی کو حاصل ہو۔ اس پر قبائل میں جھگڑا شروع ہو گیا۔ جب یہ جھگڑا تصفیہ کے لئے رسول اللہ صلعم کے سامنے پیش کیا گیا تو آپ نے ایک چادر بچھائی۔ اس پر سنگِ اسود اپنے ہاتھ سے رکھ دیا۔ پھر ہر ایک قبیلہ کے سردار سے کہا کہ "چادر کے کنارے کو پکڑ لو۔ چنانچہ تمام سرداروں نے ملکر اس چادر کو اٹھا لیا۔ جس میں سنگِ اسود رکھا ہوا تھا۔ اور اس مقام پر لے آئے جہاں سنگ اسود نصب کرنا تھا۔ آپ نے چادر سے اٹھا کر سنگِ اسود کو نصب کر دیا۔ آپ کی اس دانشمندی کو دیکھ کر سب حیران رہ گئے۔

رسول اللہ صلعم کا یہ قاعدہ تھا کہ مالِ تجارت میں آپ کو جتنا بھی نفع ہوتا تھا اس کا بیشتر حصہ۔ رشتہ داروں، غریبوں، مسکینوں، اور مسافروں کی امداد پر صرف کر دیتے تھے۔ آپ کے چچا ابو طالب چونکہ عیالدار آدمی تھے۔ اور تنگی سے انکی گذر اوقات ہوتی تھی۔ اس لئے آپ نے انکا

بار ہلکا کرنے کے لئے ان کے لڑکے حضرت علیؓ کو پرورش کے لئے لے لیا تھا۔ رسول اللہ صلعم حضرت علی سے بے حد محبت کرتے تھے۔ اسی زمانے میں رسول اللہ صلعم نے زید غلام کو خرید کر آزاد کیا تھا۔ زید ایک معزز عیسائی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ جو آزاد ہونے کے بعد بھی رسول اللہؐ سے جدا نہ ہوئے۔

عبادت سے دلچسپی اور نبوّت

رسول اللہ صلعم کی عمر جب ۳۵ سال کی ہوگئی تو آپ زیادہ تر گوشہ نشین رہنے لگے۔ اور آپ کی طبیعت میں عبادت الٰہی کا شوق دن بدن بڑھنے لگا۔ بُت پرستی سے آپکو فطری طور پر نفرت تھی۔ اور توحید باری کا جذبہ آپ کے دل میں شروع ہی سے موجود تھا۔ اس لئے آپ کا بیشتر وقت رموزِ خداوندی کے سمجھنے میں صرف ہونے لگا۔ چالیس سال کی عمر میں آپ مکّے سے تین میل کے فاصلہ پر غار حرا میں چلے جاتے۔ اور وہاں کئی کئی دن عبادت الٰہی میں مصروف رہتے۔ یہاں تک کہ آپ کو ایک خاص روشنی اور چمک دکھائی دینے لگی۔ اور آپ کو سچے خواب نظر آنے لگے۔

اسی زمانے میں ایک روز جب کہ آپ غار حرا میں عبادت میں مصروف تھے تو آپ کے سامنے حضرت جبرائیل انسانی شکل میں نمودار ہوئے۔ اور آپ کو ریشمی کپڑا دکھایا۔ جس پر بسم اللہ اور قرآن کی آیت اقرا لکھی ہوئی تھی۔ اور آپ سے کہا کہ "پڑھئے" آپ نے کہا کہ "میں پڑھنا نہیں جانتا" حضرت جبرائیل نے آپکو پہلو میں لے لیا اور بغلگیر ہوئے جس سے

آپ کے قلب میں علم کا نور پیدا ہوگیا۔ اور آپ قدرت الٰہی سے پڑھنے لگے جب آپ پڑھ چکے تو حضرت جبرئیل نے رسول اللہ صلعم کو وضو کرنا سکھایا۔ اور نماز پڑھنی بتائی۔ پھر حضرت جبرائیل نے کہا کہ "اے محمد صلعم آپ کو نبوت کا درجہ عطا کیا گیا ہے۔ اور میں اللہ کا فرشتہ جبرئیل ہوں" یہ واقعہ ۴۱ سنہ میلادی (سنہ ۶۱۰ء) میں پیش آیا تھا۔ جب کہ آپ کی عمر چالیس سال کی تھی۔ اس واقعہ کے بعد وقتاً فوقتاً وحی کی صورت میں آپ پر قرآن نازل ہوتا رہا جس میں انسان کی ہدایت کے لئے مکمل دستور العمل موجود ہے۔

نزول وحی کے بعد آپ نے اسلام کی دعوت سب سے پہلے اپنے گھر سے شروع کی۔ آپ کی بیوی حضرت خدیجہؓ سب سے پہلے ۴۱ سنہ میلادی (سنہ ۶۱۰ء) میں آپ پر ایمان لائیں۔ اس کے بعد حضرت علیؓ اور آپ کے آزاد کردہ غلام زید بن حارث نے اسلام قبول کیا۔ پھر حضرت ابوبکرؓ نے جو آپ کے دوست تھے۔ آپ پر ایمان لے آئے۔ ظاہر ہے کہ یہ سب کے سب آپ کے گھر کے آدمی تھے جو آپ کی اندرونی حالت سے بخوبی واقف تھے ان واقف کاروں کا سب سے پہلے آپ پر ایمان لانا آپ کی صداقت اور راستبازی کا ناقابل انکار ثبوت ہے۔ حضرت ابوبکرؓ کے اسلام قبول کرنے کے بعد حضرت عثمان اور مکہ کے دوسرے معتمد حضرات نے بھی اسلام قبول کر لیا۔ رسول اللہ صلعم تین سال تک اسلام کی دعوت خفیہ طریقہ پر کرتے رہے۔ ان تین سال میں مسلمانوں کی تعداد صرف انتالیس تک پہنچ سکی۔

بت پرستی کے خلاف کھلم کھلا جہاد نبوت کے چوتھے سال

سنہ۴ بعثت میلادی (سنہ ۶۱۲ء) میں جب رسول اللہ صلعم کو خدا کی طرف سے حکم ملا کہ وہ کھلم کھلا دینِ اسلام کی دعوت دیں۔ تو آپ نے فوراً خدا پرستی کے حق میں اور بُت پرستی کے خلاف جہاد شروع کر دیا۔ جسکی وجہ سے مکہ والوں میں عموماً اور رسول اللہ کے خاندان والوں میں خصوصاً آپ کے خلاف سخت ناگواری اور غصہ پیدا ہو گیا۔ کیونکہ مکہ والے اس چیز کو گوارہ کرنے کے لیے کسی طرح بھی تیار نہ تھے کہ ایک نوجوان کھلم کھلا اہل مکہ اور اہل عرب کے ان بتوں کو بُرا کہے جن کی پرستش وہ صدیوں سے کرتے چلے آ رہے تھے۔ شروع میں رسول اللہ صلعم کو نرمی سے روکنے کی کوشش کی گئی۔ اس کے بعد سختی اختیار کی گئی۔ اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ چند ہی روز کے بعد رسول اللہ اور عام مسلمانوں پر بے اندازہ زیادتیاں کی جانے لگیں۔

قریش مکہ کی سختیاں رفتہ رفتہ اتنی بڑھ گئیں کہ رسول اللہ صلعم نے سنہ ۵ میلادی (سنہ ۶۱۴ء) میں بعض مسلمانوں کو حکم دیدیا کہ وہ حبش کو ہجرت کر جائیں۔ اب مکہ میں رسول اللہ صلعم اور آپ کے ساتھی بہت محدود تعداد میں رہ گئے تھے جن کو قریش مکہ طرح طرح سے ستاتے تھے۔ اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ خود آپ کے چچا ابو لہب اور آپ کے خاندان والے آپ کے خون کے پیاسے بن گئے۔ اور اس کوشش میں لگے ہوتے تھے کہ جس طرح بھی ممکن ہو آپ کو ختم کر دیا جائے۔ لیکن اس سب کے باوجود مسلمانوں کی تعداد میں برابر ترقی ہو رہی یہاں تک کہ حضرت عمر جو مکہ میں سب سے زیادہ با اثر تھے

۱۶۷۸۴

[redacted] بھی مسلمان ہو گئے۔ آپ کے مسلمان ہونے سے اسلام کو بہت فائدہ پہنچا مگر اسی زمانہ میں ایک دشواری یہ پیش آئی کہ رسول اللہ صلعم کے سرپرست اور چچا ابو طالب جن سے کہ مخالفین دبے رہتے تھے سنہ ۵۱ میلادی (سنہ ۶۲۰ء) میں رحلت فرما گئے۔ اور چند ہی روز بعد آپ کی اہلیہ حضرت خدیجہؓ جن سے کہ رسول اللہ صلعم کو بے حد محبت تھی انتقال فرما گئیں۔ ان پے در پے حادثات سے رسول اللہ صلعم کو بے حد صدمہ پہنچا۔

آپ کے چچا ابو طالب اور حضرت خدیجہ کے انتقال کے بعد مکہ میں آپ کے خلاف اس قدر مخالفت بڑھی کہ آپ کا مکہ میں رہنا ناممکن ہو گیا۔

چنانچہ آپ اہل مکہ سے تنگ آ کر سنہ ۵۲ میلادی (سنہ ۶۲۱ء) میں طائف روانہ ہو گئے لیکن وہاں اور بھی زیادہ مخالفت پائی گئی۔ لوگوں نے پتھر مار کر آپ کو شہر سے باہر نکال دیا۔ آخر مجبوراً آپ دوبارہ مکہ واپس آ گئے۔ جہاں آپ کی قوم نے آپ کو پہلے سے بھی زیادہ ستانا شروع کر دیا۔ لیکن آپ تمام تکلیفیں برداشت کرتے رہے۔ اسی نازک زمانہ میں آپ کو آسمانوں کی سیر کرائی گئی تھی۔ جسے معراج کہتے ہیں۔ اور اسی زمانے میں آپ نے حضرت ابو بکرؓ کی صاحبزادی حضرت عائشہؓ سے عقد ثانی کیا تھا۔

رسول اللہ صلعم کی مدینہ کو ہجرت

مدینہ میں رفتہ رفتہ اسلام پھیل رہا تھا۔ اور مدینہ میں مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد جمع ہو گئی تھی۔ یہ سب [redacted] لوگ تھے جو مکہ آنے کے بعد آپ کا وعظ سن کر ایمان لائے تھے۔ جب مدینہ والوں کو معلوم ہوا کہ مکہ

میں اُن کے رسول کے ساتھ یہ زیادتیاں ہو رہی ہیں تو مسلمانانِ مدینہ کا ایک وفد مکہ آیا۔ اور رسول اللہ صلعم اور آپ کے ساتھیوں کو مدینہ چلنے کی دعوت دی جس کو رسول اللہ صلعم نے قبول فرمالیا۔ چنانچہ مکہ میں جتنے بھی مسلمان تھے وہ تھوڑے تھوڑے کر کے سب مدینہ چلے گئے۔ مکہ میں صرف رسول اللہ صلعم اور حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت علیؓ رہ گئے جب قریش مکہ کو مسلمانوں کی ہجرت کا علم ہوا۔ تو وہ اور بھی مشتعل ہو گئے اور انہوں نے یہ طے کیا کہ رسول اللہ جب گھر سے نکلیں تو انکو قتل کر دیا جائے۔ رسول اللہ صلعم کو بھی اس ناپاک منصوبے کا علم ہو گیا۔ چنانچہ آپ خاموشی کے ساتھ ہجرت کے ارادہ سے گھر سے نکل کر چل دیئے اور حضرت ابوبکر کو بھی اپنے ساتھ لے گئے۔ صرف حضرت علیؓ رہ گئے تاکہ وہ ان امانتوں کو مکہ والوں کے سپرد کر دیں جو رسول اللہ صلعم کے پاس رکھی ہوئی تھیں۔ مخالفین کو جب پتہ چلا کہ رسول اللہ مکہ سے چلے گئے ہیں تو انہوں نے ہر طرف سانڈنی سوار اور گھوڑے دوڑا دیئے اور اعلان کر دیا کہ جو شخص آپ کا سر مبارک کاٹ کر لائے گا۔ اسے سو اونٹ انعام دیئے جائیں گے۔

رسول اللہ صلعم اور حضرت ابوبکرؓ تین دن تک غارِ ثور میں پناہ لینے کے بعد مخالفین کی انتہائی رکاوٹوں کے باوجود آٹھ ربیع الاول سنہ ہجری مطابق ۲۰ ستمبر ۶۲۲ء کو مدینہ پہنچ گئے۔ مدینہ والوں نے رسول اللہ صلعم کا نہایت ہی پُر جوش خیر مقدم آپ اس وقت تک شہر مدینہ کے باہر

ہی مقیم رہے جب تک حضرت علیؓ آپ سے نہ آن ملے۔ حضرت علی کے آنے کے بعد جب آپ شہر مدینہ میں داخل ہوئے تو ہر شخص یہ چاہتا تھا کہ رسول اللہ کی میزبانی کی سعادت اسے حاصل ہو۔ لیکن آپ نے فرما دیا کہ جہاں میری اونٹنی حکم الہٰی سے بیٹھ جائے گی میں وہیں قیام کروں گا۔ چنانچہ اونٹنی حضرت ایوب انصاری کے مکان کے پاس بیٹھ گئی۔ اور آپ نے ان ہی کے ہاں اس وقت تک قیام کیا جب تک کہ آپ کے لئے مسجد اور رہنے کا مکان نہ بن گیا مسجد اور مکان کے لئے زمین آپ نے خود خریدی تھی۔ مدینہ والوں کو رسول اللہ صلعم اور انکے ساتھیوں سے اس قدر محبت تھی کہ انہوں نے اپنا سب کچھ مہاجرین مکہ کے حوالہ کر دیا مدینہ والوں کے اس برادرانہ سلوک سے متاثر ہو کر رسول اللہ صلعم نے انکو انصار کا خطاب عطا کیا تھا۔

ہجرت کے بعد کے واقعات

رسول اللہ نے جس سال مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ کو ہجرت کی اسی سال سے مسلمانوں کا سال ہجری شروع ہوتا ہے۔ ہجرت کے پہلے سال میں جہاں رسول اللہ نے تبلیغ اسلام کا کام بڑے پیمانے پر شروع کیا۔ وہاں آپ نے مسلمانوں کو سیاسی اعتبار سے مضبوط بنانے میں بھی کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھا۔ چنانچہ اور گرد و نواح کے تمام قبائل سے خواہ وہ کسی مذہب و ملت سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ نے ان سے جنگی معاہدے کئے اور انکو یقین دلایا کہ مسلمان تمہارے مذہب و عقائد میں کسی قسم کی مداخلت نہیں کریں گے۔ ان معاہدوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں کی سیاسی حیثیت کافی مضبوط ہو گئی۔

سلہ ھ (سنہ ۶۲۲ء) میں آپ کو تبلیغ اور اشاعتِ اسلام میں بھی بڑی کامیابی ہوئی چنانچہ ہجرت کے پہلے سال میں مدینہ کے بہت سے مقتدر حضرات نے اسلام قبول کرلیا۔ یہاں تک کہ یہودیوں کے پیشوائے اعظم نے بھی اسلام قبول کرلیا۔ اس سے پہلے مسلمان متفرق طریقہ پر نماز پڑھتے تھے۔ اسی سال نماز باجماعت اور نماز کے لئے اذان کی ابتدا ہوئی۔

ہجرت کے پہلے سال تک مسلمان بیت المقدس کی طرف منھ کرکے نماز پڑھا کرتے تھے۔ لیکن قرآن کی آیت نازل ہونے کے بعد رسول اللہ صلعم نے ۱۵ رجب سنہ ۲ھ (سنہ ۶۲۳ء) کو حکم دیا کہ مسلمان بیت المقدس کی بجائے خانۂ کعبہ کی طرف منھ کرکے نماز پڑھا کریں۔ اسی سال سنہ ۲ھ (سنہ ۶۲۳ء) میں قرآن پاک کی ایک آیت کے نازل ہونے پر جس میں مسلمانوں کو روزے رکھنے کا حکم ہوا تھا۔ مسلمانوں پر رمضان کے روزے فرض ہوئے اور مسلمانوں نے پہلی مرتبہ عید الفطر کی نماز عید گاہ میں باجماعت ادا کی۔ اس سے پہلے مسلمان نہ رمضان کے روزے رکھتے تھے اور نہ عید کا تہوار مناتے تھے۔

اسی سال رسول اللہ نے اپنی چھوٹی بیٹی حضرت فاطمہؓ کا نکاح نہایت سادہ طریقہ پر حضرت علیؓ کے ساتھ کردیا حضرت امام حسنؓ اور امام حسینؓ جن سے کہ حادثہ کربلا کا تعلق ہے۔ حضرت فاطمہ کے بطن سے ہجرت کے بعد مدینہ میں پیدا ہوئے تھے۔

رسول اللہ کی جنگی سرگرمیاں کفار مکہ نے جب دیکھا کہ مدینہ میں

مسلمانوں کی تعداد بڑھتا جا رہا ہے تو انہوں نے مسلمانوں کو اپنے مستقبل کے لئے خطرہ سمجھتے ہوئے یہ طے کیا کہ مدینہ کے مٹھی بھر مسلمانوں کو فوجی طاقت کے ذریعہ کچل دیا جائے۔ چنانچہ ۲ھ (۶۲۳ء) میں کفار مکہ نے مدینہ کے ایک با اثر امیر عبداللہ سے سازش کر کے مدینہ پر چڑھائی کر دی ابوجہل قریش مکہ کا سردار تھا۔ رسول اللہ بھی مہاجرین اور انصار کی چھوٹی سی جماعت کو لے کر مقابلہ پر آگئے۔ اور بدر کے میدان میں جنگ چھڑ گئی۔ کفار مکہ کے پاس اگرچہ بے اندازہ سامانِ جنگ تھا۔ اور انکی تعداد بھی مسلمانوں سے تین گنی تھی۔ لیکن پھر بھی ان کو بُری طرح شکست ہوئی۔ ابوجہل اور ان کے تمام بڑے بڑے سرمایا تو مارے گئے یا قیدی بنا لئے گئے۔ اسلام کے تحفظ کے لئے یہ پہلی مدافعانہ جنگ تھی جو رسول اللہ صلعم کی سرکردگی میں بدر کے میدان میں کفار سے لڑی گئی۔

کفار مکہ جو مسلمانان مدینہ اور رسول اللہ صلعم کو مٹانے پر تلے ہوئے تھے۔ انہوں نے اگلے سال ۳ھ (۶۲۴ء) میں مسلمانان مدینہ پر دوبارہ بہت بڑی جمیعت کے ساتھ حملہ کر دیا۔ رسول اللہ صلعم اور آپ کے ساتھیوں نے مدینہ کے باہر احد کی پہاڑی کے قریب صرف سات سو آدمیوں کی مدد سے دشمن کے اس عظیم الشان لشکر کا مقابلہ کیا۔

اس زمانے میں مسلمانوں کی فوجی طاقت اتنی کمزور تھی۔ کہ ان کے پاس کُل دو گھوڑے تھے۔ لیکن اس کے باوجود دین کی حفاظت کے لئے مسلمان بڑی بہادری سے لڑے۔ اور کفار مکہ سے ایک سال کے لئے صلح

ہو گئی۔ اس جنگ میں رسول اللہ صلعم کے چچا حضرت حمزہؓ شہید ہوئے اور خود رسول اللہ صلعم زخمی ہوئے۔ یہ دوسری حفاظتی جنگ تھی۔ جو اسلام کے تحفظ کے لئے لڑی گئی۔ اس جنگ میں مسلمان مردوں کے علاوہ مسلمان عورتوں نے بھی حصہ لیا تھا۔ جن میں سے حضرت عائشہ ام سلیم۔ ام عمارہ اور ام سلیط کے نام خاص طور پہ قابل ذکر ہیں۔

ایک طرف تو کفار مکہ آپ کے دشمن بنے ہوتے تھے۔ دوسری طرف مدینہ کے یہودی جن کو مسلمانوں نے ہر قسم کی رعایتیں دے رکھی تھیں۔ سازشیں کرتے رہتے تھے۔ چنانچہ ان یہودیوں نے یہ سازش کی کہ رسول اللہ صلعم اور آپ کے اصحاب کو دعوت پر بلا کر شہید کر دیا جائے۔ لیکن یہ راز کھل گیا۔ اور مسلمانوں نے ۴ھ (۶۲۵ء) میں یہودیوں پر حملہ کر کے مدینہ سے نکال دیا۔ یہودی بھاگ کر خیبر اور شام کی جانب چلے گئے۔ اسی سال ملحقہ علاقہ کے بادشاہ حارث نے ایک بڑے لشکر کے ساتھ مدینہ پر چڑھائی کر دی۔ لیکن رسول اللہ صلعم نے اسے جا کر راستہ ہی میں گھیر لیا۔ حارث کو شکست ہوئی۔ مسلمانوں نے قیدیوں کے ساتھ نہایت شریفانہ سلوک کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حارث اور اس کی تمام رعایا مسلمان ہو گئی۔ اور حارث کی بیٹی جویریہ نے مسلمان ہونے کے بعد رسول اللہ صلعم سے نکاح کر لیا۔

جنگ اُحد کے ڈیڑھ سال بعد کفار مکہ نے ۵ھ (۶۲۶ء) میں مسلمانوں کو فنا کر دینے کے لئے جو عظیم الشان حملہ کیا تھا وہ اسلامی تاریخ

میں خاص اہمیت رکھتا ہے۔ اس حملہ میں کفار مکہ کے ساتھ یہودی بھی مل گئے تھے۔ چنانچہ ان دونوں کی ۲۵ ہزار فوج مدینہ پر ٹوٹ پڑی۔ اس کے مقابلہ میں مسلمانوں کی تعداد صرف ہزار ڈیڑھ ہزار تھی۔ لیکن مسلمانوں نے خندقیں کھود کر اور محصور ہو کر اس بہادری کے ساتھ اس عظیم الشان لشکر کا مقابلہ کیا کہ یہودی اور کفار مکہ دونوں تنگ آ گئے۔ یہانتک کہ ان میں پھوٹ پڑ گئی تھی۔ اس کے علاوہ ایک ایسا خوفناک طوفان آیا جس سے مخالفین کے خیمے اور سامان جنگ برباد ہو گیا اور مخالفین بھاگ کھڑے ہوئے۔ چونکہ مسلمانوں نے یہ لڑائی خندقیں کھود کر لڑی تھی۔ اس لئے یہ جنگ خندق کے نام سے مشہور ہے

ہجرت کے چھٹے سال قرآن کی ایک آیت کے نازل ہونے پر جب مسلمانوں پر حج کعبہ فرض ہوا تو ۶ھ (۶۲۷ء) میں چودہ سو انصار اور مہاجرین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمراہی میں حج کی غرض سے مکہ معظمہ کے لئے روانہ ہوئے کفار مکہ کو جب معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلعم مکہ کی طرف آ رہے ہیں تو وہ بھی ایک بڑی فوج لیکر مقابلہ پر آ گئے۔ کفار کو ہر چند سمجھایا گیا کہ مسلمان لڑنا نہیں چاہتے بلکہ وہ حج کے لئے تیار ہو گئے۔ یہ دیکھ کر کفار مکہ نے صلح کا پیغام بھیجا۔ رسول اللہ صلعم جو پہلے ہی لڑنا نہیں چاہتے تھے۔ آپ نے صلح کر لی۔ لیکن ایسی شرطوں کے ساتھ جن سے کہ مسلمانوں کی کمزوری کا اظہار ہوتا تھا۔ چنانچہ یہ طے پایا کہ مسلمان اور کفار مکہ میں دس سال تک صلح رہے گی۔ مسلمان اس وقت تو مدینہ واپس چلے جائیں۔ اگلے سال حج کے لئے آئیں مگر تلوار کے علاوہ کوئی ہتھیار نہ لائیں۔ اور صرف تین دن مکہ میں ٹھیریں۔ اس صلح نامہ کے بعد جو صلح حدیبیہ

کے نام سے مشہور ہے۔ مسلمانوں کو مجبوراً حج کئے بغیر مدینہ واپس جانا پڑا۔ اسی سال رسول اللہ صلعم نے بادشاہوں کو دعوت اسلام دی۔ اور تبلیغ اسلام پر پورا زور دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت خالد بن ولید اور عمرو بن عاص جیسے مقتدر حضرات حلقہ بگوش اسلام بن گئے۔

ساتویں ہجرت کا اہم ترین واقعہ خیبر کی جنگ ہے۔ جس کی تفصیل یہ ہے کہ مسلمانوں کے مخالف یہودیوں کی ایک بڑی تعداد میں مدینہ کے شمال مشرق میں خیبر کے مقام پر جمع ہو گئی تھی۔ یہ لوگ مسلمانوں پر حملہ کی تیاریوں میں مصروف تھے۔ جب مسلمانوں کو ان کے ناپاک ارادوں کا علم ہوا تو انہوں نے ان کے حملہ سے قبل ۷ھ (۶۲۸ء) میں یہودیوں پر حملہ کر دیا۔ اس جنگ میں مسلمانوں کے سپہ سالار حضرت علیؓ تھے۔ جنہوں نے بڑی قابلیت کے ساتھ جنگ کرنے کے بعد یہودیوں پر ایسی شاندار فتح حاصل کی کہ اس کے بعد یہودی پھر کبھی مسلمانوں کے مقابلہ پر سر نہ اٹھا سکے۔

اسی سال رسول اللہ صلعم نے اپنے ساتھیوں کے ہمراہ حدیبیہ کے صلح نامہ کے مطابق حج ادا کیا۔ اور حسب معاہدہ تین دن مکہ میں رہ کر واپس چلے آئے اور تبلیغ اسلام میں مصروف ہو گئے۔ لیکن کفار مکہ کی شرارتیں برابر جاری رہیں کبھی وہ یہودیوں کو مسلمانوں کے خلاف اکساتے تھے۔ اور کبھی ان قبائل کو ستاتے تھے۔ جو مسلمانوں کی پناہ میں تھے۔ چنانچہ ۸ھ (۶۲۹ء) میں قبیلہ بنی بکر نے کفار مکہ کی امداد سے قبیلہ بنی خزیمہ پر جو مسلمانوں کی حفاظت میں تھا حملہ کر دیا۔ اور کفار مکہ لڑائی کے وقت خانہ کعبہ میں بھی جہاں خون

یہاں احرام تھا گھس گئے۔ اور کئی مسلمانوں کو قتل کر دیا۔ بنی جزیمہ نے کفار مکہ کی اس زیادتی کی رسول اللہ صلعم سے فریاد کی۔

رسول اللہ کا مکہ میں فاتحانہ داخلہ

کفار مکہ نے بنی جزیمہ پر حملہ کرکے اور مسلمانوں کے قتل عام کے بعد چونکہ صلحنامہ حدیبیہ کو توڑ دیا تھا۔ اس لئے اب رسول اللہ صلعم کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ انکے خلاف مکہ پر چڑھائی کر دیں۔ چنانچہ آپ دس ہزار کا لشکر لے کر مکہ کی جانب روانہ ہو گئے کفار مکہ نے جب رسول اللہ صلعم کی آمد کی خبر سنی تو وہ سب کے سب حواس باختہ ہو گئے۔ کفار مکہ کا سردار ابو سفیان دوڑ کر رسول اللہ صلعم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور اس نے اسلام قبول کر لیا۔ اس کے بعد مسلمانوں کی فوج جب ۸ھ (۶۲۹ء) میں رسول اللہ کی قیادت میں مکہ میں داخل ہوئی تو کفار مکہ مقابلہ کے بغیر ہی بھاگ کھڑے ہوئے۔ اور مکہ پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔

مسلمانوں کی فتح کے بعد کفار مکہ مسلمانوں سے بے حد خوفزدہ تھے اور سمجھ رہے تھے کہ اب ان کو اس ناروا سلوک کا مزہ چکھنا پڑے گا جو وہ سالہا سال سے محمد رسول اللہ صلعم اور مسلمانوں کے ساتھ کرتے رہے ہیں۔ انکو یقین تھا کہ رسول اللہ صلعم اور انکے ساتھی جن کو کفار نے انکے وطن مکہ سے نکالا تھا۔ اور قدم قدم پر انکو بے آبرو کیا تھا۔ بر سر اقتدار آنے کے بعد کفار مکہ سے ان کے ظلم و ستم کا پورا پورا انتقام لیں گے

غرض کہ مکہ کا ہر شخص رسول اللہ صلعم اور مسلمانوں سے سہما ہوا تھا۔ رسول اللہ صلعم نے مکہ میں داخل ہونے کے بعد سب سے پہلے تو خانہ کعبہ کا طواف کیا۔ پھر خانہ خدا سے بتوں کو نکال کر پھینکا۔ اس کے بعد آپ شہر کے انتظام کی جانب متوجہ ہوئے۔ کفار مکہ۔ مکے سے بھاگنے شروع ہو گئے تھے۔ آپ نے حکم دیدیا کہ کسی کو نکلنے کی اجازت نہ دی جائے۔ اب مکہ والوں کو یقین ہو گیا کہ عنقریب انکے قتل عام کا حکم جاری ہونے والا ہے۔

رسول اللہ صلعم نے مکہ والوں کی یہ پریشانی دیکھی تو آپ نے عام معافی کا اعلان کر دیا۔ یہ اعلان سننے کے بعد کفار مکہ حیران رہ گئے۔ رسول اللہ صلعم نے صرف یہی نہیں کیا بلکہ ان جابروں اور ظالموں کو بھی معاف کردیا جن کی ساری عمر رسول اللہ صلعم اور مسلمانوں کو ایذا پہنچانے میں صرف ہوئی تھی۔ عام معافی کے ساتھ یہ بھی اعلان ہو گیا کہ کسی شخص سے کسی قسم کا کوئی انتقام نہیں لیا جائے گا۔ اور فوج کو ہدایت کردی گئی کہ مکہ کی سر زمین پر ایک قطرہ خون گرے۔ اور نہ مکہ کے کسی گھر کو لوٹا جائے اور اگر کوئی مسلمان ایسا کرے گا۔ تو اسے سخت سزا دی جائے گی۔ چنانچہ کفار مکہ کے خلاف مسلمانوں میں انتہائی انتقامی جوش کے باوجود نہ تو مکہ والوں کو ایک خراش آئی۔ اور نہ ان کے مال میں سے فوج کا کوئی سپاہی ایک تنکا بھی اٹھا سکا۔

غرضکہ رسول اللہ اور مسلمانوں کے اس شریفانہ سلوک نے نہ صرف مکہ کے باشندوں کو بلکہ ملک عرب کے بیشتر رہنے والوں کو رسول اللہ

صلعم کی حکومت مدینہ مکہ اور عرب کے اکثر علاقوں میں قائم ہوگئی۔ یہ تھی دنیا میں رسول اللہ صلعم کی قائم کردہ پہلی اسلامی حکومت جس کی شاخیں بعد کو سارے جہاں میں پھیل گئیں۔

فتح مکہ کے بعد چند لڑائیاں

رسول اللہ اور مسلمانوں کی فوجی سرگرمیاں صرف فتح مکہ پر ہی ختم نہیں ہوگئیں۔ بلکہ اس کے بعد بھی رسول اللہ صلعم اور مسلمانوں کو عرب کی سرزمین پر بہت سی لڑائیاں لڑنی پڑیں۔ سنہ ہجری (سنہ ۶۲۹ء) میں مقام حنین پر بنی ہوازن اور بنی ثقیف دونوں نے مل کر مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔ اس جنگ میں پہلے مسلمانوں کو پسپا ہونا پڑا۔ اس کے بعد مخالفین اسلام کو شکست ہوگئی۔ شکست کے بعد بنی ثقیف اپنے شہر طائف کو بھاگ گئے۔ طائف وہی مقام ہے جہاں سے رسول اللہ صلعم کو لوگوں نے پتھروں سے زخمی کر کے نکال دیا تھا۔ لیکن ان سے بھی کسی قسم کا انتقام نہیں لیا گیا بنی ثقیف چند دنوں کے بعد خود بخود مسلمان ہو گئے۔ اس کے بعد قوم طے سے مسلمانوں کی جنگ ہوئی۔ اس جنگ میں قوم طے کو شکست ہوئی۔ اسیرانِ جنگ میں حاتم طائی کی لڑکی بھی تھی۔ رسول اللہ صلعم نے حاتم طائی کی لڑکی اور اس کے تمام ساتھیوں کو گرفتار ہو گئے تھے رہا کر دیا اور انکے ساتھ نہایت ہی فیاضی کا سلوک کیا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ یہ ساری کی ساری قوم مسلمان ہوگئی۔

حضرت خالد بن ولید نے چونکہ کئی لڑائیوں میں نمایاں خدمات

انجام دی تھیں اس لئے رسول اللہ صلعم نے انکو سیف اللہ کا خطاب عطا کیا۔

رسول اللہ صلعم کے سفیر دوسرے ممالک میں

فتح مکہ اور دیگر فتوحات کے بعد رسول اللہ صلعم اور آپ کی قائم کردہ اسلامی حکومت کو سرزمین عرب میں سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہو گئی۔ غیر ممالک کے وفود مدینہ میں آنے لگے۔ اور مدینہ سے وفود دیگر ممالک کے لئے روانہ ہونے شروع ہو گئے ۹ھ سنہ ۶۳۰ء میں مدینہ میں اس قدر غیر ملکی حکومتوں کے وفود آتے کہ یہ سال ہی سال وفود کے نام سے اسلامی تاریخ میں مشہور ہے۔ اسی سال رسول اللہ صلعم نے دُنیا کے مختلف ممالک میں اشاعتِ اسلام کے لئے تبلیغی وفود بھی روانہ کئے۔ غیر ممالک سے سفارتی تعلقات قائم کرنے اور وفود بھیجنے کا یہ اثر ہوا کہ اسلام عرب کے باہر کے ملکوں میں بھی پھیلنا شروع ہو گیا۔ اور رسول اللہ صلعم کے ماننے والوں کی تعداد ملکِ عرب کے علاوہ دوسرے ملکوں میں بھی تیزی کے ساتھ بڑھنے لگی۔

رسول اللہ صلعم کا آخری حج

اسلامی حکومت کا قیام ہو چکا تھا۔ رسول اللہ کی تبلیغی کوششیں کامیاب ہو گئی تھیں۔ بت پرستی کی جگہ دینِ حق نے حاصل کر لی تھی۔ اور دین اسلام عرب کی حدود سے نکل کر دیگر ممالک تک پھیل چکا تھا۔ گویا رسول اللہ صلعم اپنے مشن میں پوری طرح کامیاب ہو چکے تھے۔ اور آپ کو ایک ساتھ دینی اور دنیاوی عظمت حاصل ہو چکی تھی۔ یعنی ایک طرف آپ کی نبوت کا سکہ

لاکھوں انسانوں کے دلوں پر بیٹھ چکا تھا۔ دوسری طرف آپ ملک عرب کے باعظمت حکمران بن گئے تھے۔ آپ کی طاقت اور عظمت کا یہ عالم تھا کہ آپ کے زمانے کے بڑے بڑے بادشاہ آپ کا نام سُن کر کانپ جلتے تھے۔ اور آپ کی دینی وجاہت کی یہ کیفیت تھی کہ غیر مسلم علماء اور رہنما بھی آپ کی کفش برادری کو اپنے لئے باعث فخر خیال کرتے تھے۔ غرضنکہ آپ کی شہرت اور عظمت کا غلغلہ دنیا کے کونے کونے میں بلند ہو چکا تھا۔ اور آپ کے ماننے والوں کی ایک بڑی تعداد آپ کی زندگی میں ملک عرب کے علاوہ یمن شام فلسطین۔ عراق۔ مصر۔ افریقہ۔ ہندوستان چین۔ افغانستان۔ انڈونیشیا۔ روس۔ اور دیگر ممالک میں پھیل چکی تھی۔

غرضنکہ اس مقدس مشن کی کامیابی کے بعد آپ نے ۱۰ھ (۶۳۱ء) میں آخری حج کی تیاری کی۔ اس حج میں صرف مدینہ سے سوا لاکھ مسلمان آپکے ہمراہ مکہ کے لئے روانہ ہوئے۔ آپ کے ہمراہ یہ اتنا بڑا ہجوم تھا جو اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا گیا تھا۔

اس تاریخی حج کے ادا کرنے کے بعد رسول اللہ صلعم نے اپنے آخری خطبہ میں صاف الفاظ میں یہ پیشن گوئی کر دی تھی کہ اب آپ دنیا سے رخصت ہونے والے ہیں۔ چنانچہ آپ نے خطبہ میں فرمایا کہ شاید اگلے حج کے موقعہ پر میں تمہارے درمیان نہیں ہوں گا۔ میں تم کو ہدایت کرتا ہوں کہ قرآن پاک کے احکامات کی پوری تعمیل کرنا۔ اپنے ہر فعل کے واسطے اپنے آپکو خدا کے سامنے جواب دہ سمجھنا۔ ناحق خون نہ کرنا۔ برائیوں سے بچنا۔ دوسروں کے حقوق پر

درست درازی سے بچنا۔ آپس میں مہر و محبت سے رہنا۔ عورتوں کے حقوق کا خیال رکھنا۔ غلاموں سے اچھا سلوک کرنا۔"

رسول اللہ کی علالت اور وفات

ماہ صفر سنہ ۱۱ھ (سنہ ۶۳۲ء) کے آخری دنوں میں آپ بخار میں مبتلا ہو گئے اور یہ بخار رفتہ رفتہ خطرناک صورت اختیار کرتا چلا گیا۔ بخار نے آپ کو اسقدر کمزور کر دیا کہ آپ چل پھر بھی نہیں سکتے تھے۔ چنانچہ وفات سے تین دن قبل آپ دو آدمیوں کے سہارے سے بڑی مشکل سے مسجد نبوی میں تشریف لائے۔ اور حضرت ابوبکرؓ کی امامت میں آپ نے نماز ادا فرمائی۔ مسجد نبوی میں یہ آپ کی آخری نماز ہے۔ نماز کے بعد آپ نے حاضرین سے مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا "کہ اگر میں نے کسی کو کوئی تکلیف دی ہو تو وہ جس طرح چاہے اس کی تلافی کر لے۔ اور اگر میرے ذمہ کسی کا قرض ہو تو وہ مجھ سے وصول کر لے۔ میں اس پر ناراض نہ ہوں گا۔" اس پر ایک شخص نے اپنے تین درم قرضہ کا مطالبہ کیا۔ جو اسے اسی وقت ادا کر دئے گئے۔ اس کے بعد آپ مسلمانوں کو نہایت دردناک انداز میں وعظ و نصیحت فرماتے رہے۔ آپ کے اس آخری وعظ کو سن کر حاضرین چیخ چیخ کر رونے لگے۔ تھوڑی دیر کے بعد آپ اندر تشریف لے گئے اور دو دن کے بعد یعنی ۱۲ ربیع الاول سنہ ۱۱ھ مطابق ۸ جون سنہ ۶۳۲ء کو بروز پیر ۶۳ سال کی عمر میں آپ اس جہانِ فانی کو خیر باد کہہ گئے۔

آپ نے حضرت فاطمہ کے علاوہ کوئی اولاد نہیں چھوڑی۔ لیکن حضرت

فاطمہ کو آپ کی رحلت کا اس قدر صدمہ ہوا کہ وہ چھ ماہ کے بعد وفات پاگئیں۔

رسول اللہ صلعم کا بلند کیرکٹر

رسول اللہ صلعم اگرچہ مقتدر نبی ہونے کے علاوہ عرب کے بادشاہ بھی تھے لیکن انکو غریبی بے حد پیاری تھی۔ بادشاہ ہونے کے باوجود غریبانہ زندگی گذارتے تھے۔ ہفتوں آپ کے ہاں چولہے میں آگ نہیں جلتی تھی۔ صرف کھجوروں پر گذارہ ہوتا تھا۔ اکثر اوقات آپ نے اور آپ کے گھر والوں نے کئی کئی وقت کے فاقے کئے ہیں۔ آپ کے جسم پر ایک سے زیادہ کپڑوں کا جوڑا نہ ہوتا تھا۔ کہ جو مال بھی آپ کے پاس آتا تھا۔ آپ اسے فوراً غریبوں میں تقسیم کر دیتے تھے۔ اور اپنے لئے ایک پیسہ نہ رکھتے تھے۔ آپ دوستوں کا تو ذکر ہی کیا ہے دشمنوں کے ساتھ بھی رحم و مروّت سے پیش آتے تھے انصاف کے معاملہ میں آپ عزیزوں اور اپنوں میں کوئی تمیز نہیں کرتے تھے۔ غیر مسلموں کے ساتھ آپ کا بھائیوں جیسا سلوک تھا

رسول اللہ صلعم عورتوں کے ساتھ انتہائی مہربانی کا سلوک کرتے تھے۔ اور بیویوں کے ساتھ آپ کا برتاؤ عزت اور برابری کا تھا۔ رسول اللہ صلعم نے یوں تو متعدد نکاح کئے لیکن آپ کی بیویوں میں سے حضرت خدیجہ رضؓ۔ اور حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ کو زیادہ اہمیت حاصل ہی۔ رسول اللہ صلعم چونکہ عقد بیوگان کے بہت بڑے حامی تھے اور مطلقہ عورتوں کے بہت بڑے ہمدرد تھے۔ اس لئے آپ نے آخری عمر میں خود بیوہ

اور مطلقہ عورتوں سے نکاح کر کے ایک ایسی عملی مثال پیش کی جو اس زمانہ میں ناپید تھی۔ حضرت عائشہ رضؓ کے علاوہ آپ نے جتنی بھی عورتوں سے نکاح کیا وہ بیوہ اور مطلقہ تھیں۔ اور عمر سے اتری ہوئی تھیں۔

رسول اللہ صلعم کی زندگی نہ صرف مسلمانوں کے لئے بلکہ ہر انسان کے لئے شمع ہدایت ہے۔ آپ ایک پیغمبر بھی تھے اور بادشاہ بھی۔ آپ دین حق کا سچا نمونہ بھی تھے۔ اور ایک نیک دنیا دار بھی۔ آپ عبادت بھی کرتے تھے اور بیوی بچوں میں بھی وقت گذارتے تھے۔

آپ بہترین جنگجو اور سپہ سالار بھی تھے اور امن و آشتی کے علمبردار بھی۔ آپ بنی نوع انسان کے مخدوم بھی تھے اور خلق خدا کے خادم بھی غرض کہ تنہا آپ کی ذاتِ مبارک میں اتنی صفات ہیں کہ آج تک کسی انسان میں نہیں پائی گئیں۔

(مکمل تاریخ اسلام سے ماخوذ)

رسول اللہ کی قابلِ تقلید راہِ عمل

(از مولانا مولوی محمد عظیم صاحب)

ذوق رکھ سنتِ گرامی سے ٭ ہے شرف آپ کی غلامی سے
جو کوئی پیروِ رسول نہیں ٭ لاکھ طاعت کرے قبول نہیں

حضرت حبیب ربُّ العالمین رحمۃ اللعالمین کی پاک زندگی کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ جس بات کی تعلیم جناب نے دنیا کو دی اس پر سب سے پہلے خود عمل کر کے دکھایا۔ یہ ایک ایسی خصوصیت ہے کہ کسی دوسرے نبی کے حالات میں نہیں ملتی۔ دوسرے نبیوں اور رسولوں کے صحائف اور واقعات پر نظر ڈالنے سے یہ عیاں ہے۔ کہ انہوں نے وقتی ضروریات کے لحاظ سے اعلیٰ درجہ کی اخلاق کی تعلیم دی مگر دیکھنا یہ ہے کہ جس بات کی طرف انہوں نے لوگوں کو دعوت دی۔ اس پر خود کس حد تک عمل کیا اور اپنے وجود سے اسکو کہاں تک عملی لباس پہنایا۔ اس خصوصیت میں جناب رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ و السلام ہی دنیا کے لئے ایک کامل اسوۂ حسنہ ہیں۔

قرآن کریم کی تعلیم کا ایک شوشہ بھی ایسا نہ ہوگا۔ کہ جس کا عملی نقشہ آپ کی زندگی میں نظر نہ آئے۔ قرآن پاک پر بلا تکلف عمل کرنا آپ کی جبلت تھا حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے کسی نے حضرت رسالت

آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی معاشرت وخانہ داری کے متعلق کچھ دریافت کیا تو حضرت صدیقہؓ نے قرآن پاک کی ایک آیت کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ کیا تم نے قرآن میں یہ امر نہیں دیکھا" کیونکہ آپ کا فعل تو وہی تھا جس کا حکم قرآن میں ہے۔

حضورِ انورؐ کی مقدس زندگی میں سب سے بڑا سبق مسلمانوں کے لئے نہیں بلکہ تمام دنیا کے لئے یہی ہے کہ وہ عملی قوت اپنے اندر پیدا کریں اور جس بات کی زبان سے تبلیغ کریں یا جس بات کو اپنے یا خلق خدا کے لئے مفید سمجھیں۔ اس پر خود بھی عمل کریں۔ نہ یہ کہ صرف زبانی جمع خرچ سے کام چلائیں۔ اگر مسلمان اس پاک نمونہ کو سامنے رکھ کر اپنی عملی حالت کو درست کرلیں تو آج ہی ان کا بیڑا پار ہو جائے۔ مبارک ہیں وہ لوگ جو عملاً آپ کے ہر ایک قول وفعل کی تقلید کرتے ہیں۔ اور اس مبارک نمونہ کی پیروی لازم اور ضروری سمجھتے ہیں جو مسلمان اسوۂ رسول کو بھول کر تنزل اور پستی کی زندگی میں مبتلا ہیں اور اس سے ابھرنے کی کوشش نہیں کرتے ان سے زیادہ بُرا اور زیانکار کوئی نہیں۔ قرآن پاک میں ہے:

قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُم بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا الَّذِينَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا ۝ (پارہ ۱۶ سورہ کہف)

کہہ۔ کیا ہم خبر دیں تم کو اعمال میں نقصان اٹھانے والے لوگوں کے متعلق وہ لوگ کہ ضائع ہوئی انکی سعی و کوشش دنیا کی زندگی میں۔ اور وہ گمان کرتے ہیں کہ وہ اچھا کام کرتے ہیں۔

مسلمان اگر اُس پاک اسوہ حسنہ کو اپنی زندگی کا دستورالعمل بنائیں اور سچے مسلمان بن جائیں تو دین و دنیا کی ہر طرح کی سربلندی و عزت انہیں کے لئے ہے جیسا کہ ارشاد باری ہے :-

وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ (پ آل عمران ع ۱۴) (مسلمانو! تم ذلیل نہ اور رنجیدہ نہ ہو تم اگر ایماندار ہو تو تمہیں ہی سربلندی حاصل ہوگی۔

جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ پر جب تک مسلمانوں کا عمل رہا۔ تمام زمانہ کی خوبیاں ان میں موجود تھیں۔ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم آج بھی اپنے مرقد اقدس میں زندہ ہیں۔ آپ کی مقدس نگاہیں ہمہ تن چشم بنی ہوئی ہیں کہ ہم آپ کی نیک مثال سے فائدہ اٹھا کر اپنی حالت کو کس قدر درست کرتے ہیں۔ اور جن اصول و ضوابط کی آپ نے تعلیم دی تھی۔ ہمارا طرز عمل انسے کہاں تک مطابق ہوتا ہے۔

مسلمانو! جب اغیار تک اس ذات پاک کی تعظیم پر مجبور ہیں تو کیا تم کو اس کا احترام نہ کرنا چاہیئے۔ اور اسکی تعلیمات کو اپنی زندگی کا اصول نہ بنانا چاہیئے۔

یاد رکھو سچی تعظیم و احترام یہی ہے کہ جو پاکیزہ اصول آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی و الہام کے ذریعہ سے ہماری فلاح و رفاہ کے لئے مقرر فرمائے ہیں۔ اور اپنے عمل سے انکو عملی صورت میں تمہارے سامنے پیش کیا ہے۔ ہم اپنی زندگی کو انھیں راستوں پر لائیں۔ آپ کی تعلیمات

کو پھیلائیں۔ اور عہد کریں کہ آئندہ ہم میں ہر شخص ان مبارک اصولوں و ضوابط کا پابند نظر آئے گا سے

قدم باید از طریقت نہ دم   کہ اصلے ندارد دم بے قدم

اس کتاب کے آئندہ اوراق میں حضور صلعم کے اخلاقِ ستودہ کی عملی نظریں دیکر آپکی بعض اخلاقی تعلیمات کا نمونہ پیش کیا جائے گا۔ تاکہ ہمارے مسلمان بھائی جو آجکل زیادہ تر "مسلمانان درگور و مسلمانی درکتاب" کے مصداق بنے ہوئے ہیں۔ اپنے مقدس ہادی کے اوصاف و فضائل کا علم حاصل کرنے کے علاوہ آپ کی بہت سی پاکیزہ تعلیمات سے بھی باخبر ہو سکیں۔ ان پر عمل کر کے سچے اور قابل فخر مسلمان بن جائیں۔ اور ان مشکلات سے انکو نجات حاصل ہو جائے جن میں وہ آج کل مبتلا ہیں۔

رحم و مروّت کا مجسمہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسے رحم دل اور بامروّت تھے کہ کبھی کسی پر غصہ نہ فرماتے۔ خصوصاً اپنے ذاتی کام کے متعلق اگر کسی خادم یا رفیق سے آپ کے حکم کی تعمیل میں کوئی غلطی ہو جاتی تھی تو آپ بڑی فیاضی سے درگزر کرتے تھے۔ اور اگر ملامت بھی کرتے تھے تو ایسے طریقے سے کہ جس کو ملامت کی جاتی اس کا دل بھی نہ دکھتا تھا۔ اور اثر بھی پورا ہوتا تھا۔

(۱) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ جب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کسی خادم پر ناراض ہوتے تھے تو یہ فرماتے کہ اگر مجھے روز قیامت

میں بدلہ کا ڈر نہ ہوتا تو میں تمہیں اس مسواک سے خوب ہی مارتا۔"

خود انس (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) بھی رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم تھے۔ اور بچپن سے حضور کی خدمت میں رہتے تھے۔ ایک روز سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں کسی کام کو فرمایا۔ انس رض کہتے ہیں کہ میں نے اس کام سے انکار کر دیا۔ اور حضور اکرم خاموش ہو رہے لیکن پھر میں خود ہی اپنے دل میں نادم ہوا اور اس کام کے انجام دینے کے واسطے روانہ ہو گیا۔ مسجد سے نکل کر گلی میں چند لڑکوں کو کھیلتے دیکھا اور بچپن کے اقتضاء سے ان کا کھیل دیکھنے لگا۔ میں اس طرف متوجہ تھا کہ اچانک پشت کی جانب سے کسی نے میری گردن پکڑلی میں نے مڑ کر دیکھا تو رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ آپ نے آنکھیں چار ہوتے ہی مسکرا کر فرمایا "انس رض کیا تو اب کام کرنے جا رہا ہے" حضرت انس رض کہتے ہیں کہ آپ کے اس کہنے کا مجھ پر ایسا اثر ہوا کہ میں عرقِ ندامت میں غرق ہو گیا۔ اور پھر عمر بھر کبھی آپ کے کسی حکم سے سرتابی نہیں کی۔

(۲) مکہ والوں کی طرف سے مایوس ہو کر حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم شہر سے نکلے اور مختلف قبائل کو دعوتِ اسلام دینے کے لئے منزل بمنزل پا پیادہ کوہ طائف پر جو مکہ سے شمال کی جانب ۷۰ میل پر واقع ہے تشریف لے گئے وہاں پہنچ کر دعوتِ اسلام اور توحید کی منادی شروع فرمائی۔

طائف کے حکمراں سردار اور اس کے بھائیوں نے اپنے غلاموں بستی کے شہدوں اور بازاری لڑکوں کو ترغیب دی کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دق کریں۔ تکلیف دیں اور ہنسی اڑائیں۔ ان دفعہ ان بدمعاشوں نے

آپ پر اس قدر کیچڑ اور پتھر پھینکے کہ حضور نے ایک احاطہ کے اندر جا کر پناہ لی۔ ایک دفعہ جسم اطہر پر اتنے پتھر مارے کہ جسم سے خون جاری ہوا اور پائے مبارک کا جوتا خون سے جم کر پاؤں سے چمٹ گیا۔ اللہ اللہ کیا صبر وتحمل تھا۔

ایک دفعہ ایسی ضرب آئی کہ آپ بیہوش ہو گئے۔ حضرت زید جو اس سفر میں آپ کے ہمراہ تھے حضور کو اپنی پشت پر اٹھا کر بستی سے باہر لے گئے پانی کا چشمہ رواں تھا۔ پانی کے چھینٹے منہ پر دیئے۔ تو ہوش آیا۔ اور وہاں سے واپس تشریف لے آئے۔ مگر العظمۃ للہ جوشِ کرم اور وفورِ رحمت کا یہ عالم تھا کہ بد دعا کی بجائے زبان مبارک سے یہ فرمایا کہ "اگر یہ لوگ ایمان نہیں لاتے تو کیا ہوا۔ امید ہے کہ انکی اولاد ضرور کلمہ پڑھنے والی ہوگی۔

(3) جب جنگِ احد میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دندانِ مبارک شہید ہوئے۔ اور چہرۂ انور زخمی ہوا اصحاب پر یہ بات نہایت شاق گزری انہوں نے عرض کیا۔ "یا نبی اللہ آپ کفار کے حق میں بد دُعا کیجئے" مخبرِ دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "میں بد دُعا کرنے کے لئے مبعوث نہیں ہوا ہوں بلکہ رحمت کے ساتھ بھیجا گیا ہوں۔ حق کی طرف بلانا میرا کام ہے نہ کہ بد دُعا کرنا" پھر دستِ مبارک اٹھا کر یوں دُعا فرمائی:۔

اَللّٰھُمَّ اھْدِ قَوْمِیْ فَاِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ۔ یعنی اے میرے اللہ میری قوم کو ہدایت فرما وہ مجھ کو پہچانتی نہیں۔ سبحان اللہ ؎

لوحِ جبیں پہ سنگ پڑا بد دعا نہ کی بیگانوں کے گلہ سے زباں آشنا نہ کی

مساوات

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف حسنہ میں ایک صفت یہ بھی تھی کہ اپنے اصحاب کی رعایت خاطر ہمیشہ مدِ نظر رکھتے، ہر کام میں ان کے ساتھ شریک رہتے اپنی خدمت کا بار دوسرے پر ڈالنا آپکی عادت نہ تھی۔ آپکے اصحاب کو آرزو رہتی تھی کہ حضور کسی خدمت کا حکم دیں اور ہم سر آنکھوں سے بجالائیں۔ لیکن آپ خود اور آدمیوں کا کام کر دیتے دوسروں سے کوئی خدمت نہ لیتے۔

(۱) ایک بار سفر میں منزل پر ٹھہرے۔ کھانا پکانے کا انتظام ہونے لگا۔ اصحابؓ کرام میں سے ہر شخص نے ایک ایک کام اپنے ذمہ لے لیا۔ کسی نے جانوروں کو ذبح کرنے کا کسی نے گوشت بنانے کا اور کسی نے پکانے کا حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "میں لکڑیاں چن کر لاؤنگا" اصحاب نے عرض کیا قربانت شویم ہماری موجودگی میں حضور کو کسی کام کے کرنے کی کیا حاجت ہے" حضور نے فرمایا "رفیق وہ ہے جو رفیقوں کا شریک ہو۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ تم سب کام کرو اور میں بیٹھا دیکھوں۔ مجھے بھی حقِ رفاقت ادا کرنے دو" چنانچہ آپ لکڑیاں چن لائے اور اس طرح اپنے رفقاء کے دل میں اپنی سچی الفت کا نقش بٹھا دیا۔

(۲) غزوہ خندق میں جب کفار کا زبردست لشکر مدینہ طیبہ پر چڑھ آیا تھا اور مسلمان (اس وقت) انکے مقابلہ کی طاقت نہیں رکھتے تھے۔ حضرت

سلمانِ فارسی (رضی اللہ عنہ) کی رائے سے حضرت رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے شہر کے گرد خندق کھودنے کا انتظام کیا۔ تمام مسلمانوں کے ساتھ حضرت رسالت مآبؐ خود بہ نفسِ نفیس اس کام میں شریک ہوئے۔ اس موقعہ پر مسلمانوں کے پاس آزوقہ کی کمی تھی اصحابِ کرام اور خود حضور صلعم کو کئی کئی وقت بغیر غذا کے رہنا پڑتا۔ مگر کام سے ہاتھ نہیں روکتے تھے۔ قوم کے علماء و مشائخ اور رہنما اس پاک نمونہ سے سبق لیں خود تو صرف زبانی جمع خرچ سے کام لینا اور خدا کی مخلوق کے ذمہ اپنا بوجھ ڈالنا رسول اللہ صلعم کے اسوۂ حسنہ کے بالکل خلاف ہے۔

فروتنی وانکسار

حضرت رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم اس قدر متواضع تھے کہ کبھی کسی موقعہ پر بھی بڑائی کا اظہار نہیں فرماتے تھے۔ ہم روزمرہ دیکھتے ہیں کہ جس شخص کو ذرا سی عزت حاصل ہو جاتی ہے وہ ہر جگہ صدر نشینی یا امتیاز کے ساتھ بیٹھنے کا خواہاں ہوتا ہے۔ لیکن جناب رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ والسلام مجمع اصحاب میں ہمیشہ اسطرح نشست رکھتے کہ باہر سے آنے والا ناواقف شخص سرسری نظر سے آپکو پہچان بھی نہیں سکتا تھا۔ کیونکہ آپ دوسرے ہمنشینوں سے زانو بڑھا کر یا کسی صدر مقام پر نہیں بیٹھتے تھے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ ایک شخص کو آپ کے پاس لائے۔ تو وہ شخص آپ کی ہیبت سے کانپنے لگا۔ آپ نے اس کی یہ حالت دیکھ کر فرمایا "کہ تو ڈرتا کیوں ہے۔ میں کوئی بادشاہ نہیں ہوں۔ قریش

کی ایک عورت کا بیٹا ہوں جو خشک گوشت کھایا کرتی تھی۔ بتا تیری کیا حاجت ہے اس نے مطلب عرض کیا۔ حضور نے اسکی حاجت روائی کی اور کھڑے ہو کر فرمایا "اے لوگو! میرے پاس اس مضمون کی وحی آئی ہے کہ تم لوگ تواضع کرو اور کوئی شخص کسی پر فوقیت نہ ڈھونڈے اور نہ فخر کرے۔ کیونکہ تم سب خدا کے بندے ہو باہم بھائی بھائی بن جاؤ۔"

جناب رسالت مآبؐ سے ساری عمر میں صرف ایک دفعہ یونہی رسمی لغزش ہوئی۔ کہ آپ کسی دوسرے شخص سے باتیں کرنے کی وجہ سے ایک نابینا کی طرف متوجہ نہ ہو سکے۔ کامل انسان کی ایک معذور کی طرف سے یہ بے اعتنائی اس فروگذاشت کو رب العلمین کب روا رکھ سکتا تھا۔ فوراً تنبیہ ہوئی اور آپ نے ازراہ کمال دیانت و امانت بلا تامل اس تنبیہ کے واقعہ کو سب پر ظاہر فرما دیا بشری تقاضا اپنی کمزوری کے اظہار سے مانع نہ ہو سکا۔ آپ نے سجدۂ تعظیمی سے ایک شخص کو روک دیا۔ اس کی عام طور پر ممانعت کر دی۔ کیونکہ سجدۂ تعظیمی انکسار پسندی کا دشمن ہے۔

آپ نے لوگوں کو اپنی سروقد تعظیم سے منع فرما دیا۔ اور ارشاد کیا۔ لَا تَقُوْمُوْا لِیْ کَمَا تَقُوْمُ الْاَعَاجِمُ لِمُلُوْکِهِمْ یعنی جس طرح عجمی لوگ اپنے بادشاہوں کے سامنے سروقد تعظیم کے لئے کھڑے ہوتے ہیں تم میرے لئے مت کھڑے ہوا کرو۔

ایک دفعہ بیمار ہونے پر نمازیوں کو کھڑے ہونے سے منع کر دیا۔ نماز بیٹھ کر پڑھائی مقتدی بھی بیٹھ کر نماز ادا کرتے رہے اس خیال سے کہ مبادا

کسی کو کہنے کا موقع ملے کہ یہ لوگ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تعظیم کے لئے کھڑے ہیں۔

آپ زمین پر بڑی سادگی سے بیٹھ کر کھانا کھاتے اور فرمایا کرتے میں بندہ ہوں بندوں کی طرح کھاتا ہوں۔

مدینہ منورہ کی گلیوں میں جاتے ہوئے بیوہ اور ضعیف عورتیں، مصیبت زدہ لوگ، لونڈی غلام اور چھوٹے لڑکے آپ کا دامن پکڑ لیتے۔ آپ وہیں کھڑے ہو جاتے اور جب تک وہ خود نہ بیٹھتے ان سے باتیں کرتے رہتے۔ بیچاری دکھیا عورتیں آپ سے اپنا دکھ سکھ بیان کرتیں آپ انکو تسلی اور دلاسا دیتے۔ بازار سے انکا سودا لا دیتے۔ غلاموں پر نہایت مہربانی فرماتے۔ انکے مالکوں کو انکے ساتھ حسنِ سلوک رکھنے کی ہدایت فرماتے۔

آپ دعا فرمایا کرتے اَللّٰھُمَّ اَحْیِنِیْ مِسْکِیْنًا وَّاَمِتْنِیْ مِسْکِیْنًا وَّاحْشُرْنِیْ فِیْ زُمْرَۃِ الْمَسَاکِیْنِ بار خدایا مجھے مسکین جلا اور مسکین مار اور مسکینوں ہی کے گروہ میں میرا حشر فرما۔

سبحان اللہ کیا شانِ رحمت ہے اور کیسی مسکینوں پر عنایت ہے اس سے ایک نہایت قیمتی سبق یہ حاصل ہوتا ہے کہ انسان کو غریبی اور مسکینی سے دل شکستہ نہ ہونا چاہیئے۔ دنیا میں عاجزوں اور مسکینوں کی تعداد زیادہ ہوتی ہے۔ اور نظام عالم میں اس طبقہ کو بہت بڑا رتبہ حاصل ہے۔ اگر غریب اور حاجتمند گروہ نہ ہو تو دنیا کی آبادی اور کاروبار کا فروغ ناممکن ہے۔

ایفائے عہد

جناب رسالت مآبؐ کو ایک بار شہر مکہ میں کسی شخص نے راستہ میں روک کر کہا کہ آپ یہاں ٹھہریں مجھے آپ سے کام ہے۔ آپ نے وعدہ فرمالیا وہ شخص چلا گیا۔ اور اسے یہ یاد نہیں رہا کہ وہ آپ کو اپنا منتظر بنا کر چھوڑ آیا ہے۔ آپ اسی مقام پر موجود رہے جہاں ٹھہرا گیا تھا۔ یہاں تک کہ دن گزر کر رات آگئی۔ دوسرے دن اتفاق سے آدمی پھر اسی راستہ سے گذرا اور آپ کو وہاں دیکھ کر اپنی حرکت پر بہت منفعل ہوا۔ اور آپ سے معذرت کرنے لگا۔ آپ نے فرمایا "کوئی مضائقہ نہیں بھول چوک انسان کے ساتھ لگی ہوئی ہے" یہ کہہ کر وہاں سے مکان تشریف لے گئے۔

ابورافع بیان کرتے ہیں کہ قریش نے مجھ کو قاصد بنا کر (صلح حدیبیہ کے دوران میں) حضرت رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس مدینہ شریف بھیجا۔ میری نظر جب آپ کے چہرۂ انور کی طرف پڑی تو میرا دل نور اسلام سے منور ہوگیا۔ میں نے عرض کیا کہ (یارسول اللہ) اب میں آپ کے پاس سے نہ جاؤں گا۔" آپ نے فرمایا (ابورافع) ہم بدعہدی نہیں کرسکتے کہ قاصد کو روک لیں۔ اب تم جاؤ۔ اگر تمہارے دل میں اسلام قائم رہے تو پھر وہاں سے چلے آنا۔" ابورافع کہتے ہیں کہ میں قریش کے پاس گیا اور وہاں سے واپس آکر میں نے اپنے اسلام کو ظاہر کردیا۔

صلح حدیبیہ میں جو اقرار نامہ لکھا گیا تھا۔ اس میں بعض شرائط صلح ایسی تھیں جو بہت سے اصحاب کو ناگوار تھیں، بالخصوص یہ شرط کہ جو شخص مکہ سے مسلمان ہو کر مدینہ طیبہ میں آ جائے۔ اس کو تو کفار کے طلب کرنے پر ان کے حوالے کر دیا جائے گا۔ لیکن اگر کوئی مسلمان قریش کے پاس چلا آئے تو قریش اس کو واپس نہیں کریں گے۔ یہ شرط اصحاب کو بہت ناگوار ہوئی۔

مگر حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کمال دور اندیشی سے اس کو منظور فرمالیا اور اصحابؓ سے یہ فرمایا کہ کریم کارساز ان لوگوں کو جو مسلمان ہو گئے ہیں مگر ابھی تک قریش کے پنجے میں پھنسے ہوئے ہیں نجات دے گا۔ اب رہی یہ بات کہ جو کوئی ادھر سے بھاگ کر قریش سے مل جائے تو اس کے واپس نہ ملنے میں ہمارا کیا حرج ہے۔ کیونکہ ایسے شخص کو جو ہمارا ساتھ چھوڑ کر مرتد ہو جائے اس کو ہم لیکر کیا کریں گے۔ غرض کہ صلح ہو گئی۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرارداد کے موافق حج وعمرہ کا ارادہ فسخ کر دیا۔ اور وہیں قربانی کی اور صحابہؓ کو لے کر مدینہ منورہ چلے آئے۔

جب آپ مدینہ منورہ میں رونق افروز ہو گئے تو حضرت ابو بصیر رضی اللہ عنہ جو آپ کے سچے عاشق وجان نثار تھے مکہ معظمہ سے مدینہ طیبہ بھاگ آئے۔ یہ اسلام لے آنے کی وجہ سے مشرکین مکہ کے پاس قید تھے۔ کفار نے حسب قرارداد دو آدمی انکے لینے کو بھیجے۔ آپ نے ابو بصیر کو انکے حوالے کر دیا۔ ابو بصیرؓ نے بہت منت وزاری کی مگر آپ نے فرمایا "کہ ہم وعدہ خلافی نہیں کر سکتے۔ اللہ تعالیٰ تمہارے لئے کوئی صورت کشائش کی کر دیگا

غرض کہ وہ دونوں قاصد ابو بصیرؓ کو لے کر چلے۔ راستہ میں جب بمقام ذی الحلیفہ میں کھانا کھانے بیٹھے تو ابو بصیرؓ نے بہانہ سے ایک قاصد کی تلوار لے کر ان میں سے ایک کو قتل کر دیا۔ جب دوسرے کے قتل کا ارادہ کیا تو وہ بھاگا اور بھاگ کر پھر حضرت رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ ابو بصیرؓ بھی اس کے پیچھے پیچھے آئے۔ آپ نے ابو بصیرؓ کو دیکھتے ہی فرمایا کہ تو لڑائی کی آگ بھڑکاتا ہے۔ اور آپ نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ تم خود اس کو وہاں چھوڑ کر آؤ۔

ابو بصیر نے جب یہ سمجھ لیا کہ آپ کسی صورت سے اپنے وعدہ کے خلاف نہیں کریں گے۔ اور اس کو ضرور واپس دینگے۔ تو وہ بھاگ کر سمندر کے کنارے جا کر رہنے لگے۔

اللہ اکبر کس قدر آپ کو اپنے وعدہ کا پاس تھا۔ آپ کا ارشاد ہے لَا اِیْمَانَ لِمَنْ لَّا عَھْدَ لَہٗ جو عہد کا پکا نہیں اس میں ایمان نہیں۔ وعدہ خلافی کرنے والے مسلمان اس پاک نمونہ سے سبق سیکھ کر آئندہ کیلئے وعدہ خلافی کرنے سے توبہ کریں تاکہ دین و دنیا میں انکو کامیابی نصیب ہو۔

اولاد کے ساتھ محبت

اولاد ہر ایک انسان کو عزیز ہوتی ہے اولاد سے محبت کرنا انسان کی فطرت میں قدرت نے دی ہوتی ہے۔ اس لئے حضرت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی بحیثیت انسان ہونے کے اس فطری جذبہ سے خالی نہیں تھے

آپ کو بھی اپنی اولاد کے ساتھ محبت تھی اور بہت زیادہ محبت تھی. مگر اس عملی محبت میں بھی آپ کی حیثیت عام انسانوں سے الگ تھی. جس طرح آپ کی پاک زندگی کے تمام کام اپنے اندر للّٰہیت کا رنگ رکھتے تھے. اسی طرح آپ کا اپنی اولاد سے محبت کرنا بھی محض خدائے تعالےٰ کے لئے تھا اور اس لئے کہ وہ بھی آپ کی صداقت کے لئے ایک شہادت کا کام دے۔

آپ کی اکثر اولاد بچپن ہی میں دنیا سے رحلت کر گئی تھی. ان کی رحلت کے وقت بھی آپ سے انکی محبت کا اظہار ہوا. چنانچہ جب آپ کے صاحبزادے ابراہیمؑ نے وفات پائی تو آپ کی چشم مبارک سے آنسو جاری ہو گئے. مگر ایسے وقت میں بھی آپ نے منصب نبوت کو مدنظر رکھا حضرت ابراہیم کے دفن کے وقت اتفاق سے سورج کو گہن لگ گیا اور نبی زادہ کی عظمت کی بناء پر عوام کو قدرتاً یہ خیال ہوا کہ شاید سیارے بھی انکی رحلت کے غم سے متاثر ہیں تو آپکی دور اندیش نگاہ نے فوراً تاڑ لیا. اور آپ کے بے لوث باطن نے زبان سے یہ کہلا دیا کہ

ان الشمس والقمر لا ینکسفان لموت احد ولا لحیاتہ انھما ایتان من اٰیات اللہ۔ سورج اور چاند کو گہن لگنا کسی کی موت اور حیات سے تعلق نہیں رکھتا بلکہ وہ تو اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے

گو حضرت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو اپنی اولاد خصوصاً حضرت خاتون جنتؓ اور حضرات حسنین رضی اللہ عنہما سے دلی محبت تھی. مگر آپ کی یہ محبت عام انسانوں کی محبت کی طرح نہیں تھی. بلکہ یہ محبت بھی اپنے

اندر شانِ نبوت رکھتی تھی اور اس بات کی کافی شہادت تھی کہ آپ کا کوئی کام اس ارشادِ خداوندی سے باہر نہیں ہوتا۔

قل ان صلوتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العالمین (پ سورہ انعام) کہہ (اے رسولِ پاک) کہ میری نماز اور میری قربانی اور میرا جینا اور میرا مرنا سب اللہ رب العالمین کے لئے ہیں۔

باوجودیکہ حضرت سیدہ کے ساتھ بے حد محبت رکھتے تھے لیکن آپ کا یہ حال تھا کہ ایک مرتبہ آپ اپنی صاحبزادی کے گھر تشریف لائے اور حضرت سیدہ کی گردن میں ایک سونے کا گلوبند دیکھا جسے ان کے شوہر علی بن ابی طالبؓ نے ان کے لئے خریدا تھا۔ جب آپکی نگاہ مبارک اس گلوبند پر پڑی تو آپ نے فرمایا "اے فاطمہ! کیا لوگ نہ کہیں گے کہ فاطمہ محمدؐ کی بیٹی مغرور امیروں سا زیور پہنتی ہے" صاحبزادی بھی چونکہ اسی آفتابِ رسالت کے نور سے منور تھی۔ یہ سنتے ہی اٹھیں اور گلوبند کو توڑ کر فروخت کر دیا اور اس کی قیمت سے ایک غلام خرید کر آزاد کیا جب اس واقعہ کی خبر آپ کو ہوئی تو آپ بہت محظوظ ہوتے۔

دنیا میں کون آدمی ہے جو اپنی اولاد کے لئے آرام و آسائش کے سامان مہیا نہیں کرتا۔ ہر ایک کی یہی خواہش ہوتی ہے کہ اس کی اولاد کو ہر طرح کی نعمت میسر ہو۔ اور وہ آسائش و آرام سے اوقات بسر کرے۔ مگر یہاں یہ حالت تھی کہ باوجودیکہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم اپنی صاحبزادی (فاطمہؓ) کو سب سے زیادہ چاہتے تھے۔ اس پر بھی (گھر کا کام کاج خود کرتی تھیں

یہاں تک کہ چکی پیسنے سے آپ کے دست ہائے مبارک پر اس کا نشان پڑ گیا تھا اور گھر میں جھاڑو دینے اور کھانا پکانے سے آپ کے کپڑے اکثر غبار آلود اور سیاہ رہتے تھے۔ غرض کہ ہر قسم کی تکلیف اٹھاتی تھیں۔

حضرت علیؓ فرماتے کہ ایک دن میں نے انسے کہا کہ تم اپنے والد ماجد کے پاس جاؤ اور انسے ایک خادمہ کی درخواست کرو تاکہ تمہاری تکلیف کسی قدر کم ہو جائے۔ میرے اس کہنے پر وہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں مگر آپ کو لوگوں سے باتیں کرتے دیکھ کر شرم کی وجہ سے کچھ نہ کہہ سکیں اور واپس چلی آئیں۔ دوسرے دن آپ خود تشریف لائے۔ اور پوچھا کہ اے بیٹی کل تم کس غرض سے آئی تھیں۔ یہ سن کر میں نے عرض کیا یا رسول اللہ وہ ایک خادمہ مانگنے کے لئے گئی تھیں تاکہ انکو اس محنت اور تکلیف سے جو پانی بھرنے چکی پیسنے اور جھاڑو دینے میں ہوتی ہے کچھ نجات ملے۔

یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تم کو ایسی چیز کیوں نہ بتاؤں جو تم دونوں کے حق میں خادمہ سے بہتر ہو۔ اور وہ یہ ہے کہ ۳۳ دفعہ سبحان اللہ اور ۳۳ دفعہ الحمد للہ اور ۳۴ دفعہ اللہ اکبر پڑھا کرو۔ اس پر حضرت سیدہ نے فرمایا کہ میں خدا اور اس کے رسول سے راضی ہوگئی ا۔

رضیت عن اللہ ورسولہ

ان روایات کو بغور پڑھنے سے شان نبوت معلوم ہوتی ہے

رسالت کی تصدیق ہوتی ہے۔ اہل بیت کی عظمت اور آل رسول کے مکارم اخلاق کا ثبوت ملتا ہے۔ آپکی للّہیت اور ہمدردی خلائق پر روشنی پڑتی ہے کہ باوجود ان تکلیف اور محنت کے جو آپ کی صاجزادی کو اپنے گھر کے کام کاج کرتے میں ہوتی تھیں۔ آپ نہیں چاہتے تھے کہ مسلمان غریبوں اور مسکینوں کو چھوڑ کر اپنے اہل وعیال کے لئے آسائش کا سامان مہیا کریں۔

حضرت امام باقر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی عادت تھی کہ جب آپ سفر کا ارادہ کرتے تو اپنے ہر ایک گھر والے سے رخصت ہوتے مگر سب سے آخر میں اپنی صاجزادی حضرت فاطمہ کو الوداع کہتے اور انہیں کے گھر سے تشریف لے جاتے ایک دفعہ ایسا ہوا کہ جب آپ کسی سفر پر تشریف لے گئے تو حضرت علی بن ابی طالبؓ نے حضرت سیدہ کے پاس کچھ مال بھیجا۔ حضرت سیدہ نے اپنے والد اور شوہر کی غیبت میں چاندی کے دو کنگن بنوائے۔ اور ایک پردہ (خرید کر) اپنے دروازے پر لٹکایا۔ جب حضرت رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ میں واپس تشریف لاکر اپنی عادت کے موافق سیدھے اپنی صاجزادی کے گھر آئے۔ تو فاطمہؓ خوش خوش (آپکے استقبال کے لئے) آپ کی طرف دوڑیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جونہی آپ کے ہاتھوں میں وہ کنگن دیکھے اور دروازے کے پردے پر نظر کی واپس تشریف لے گئے۔ حضرت فاطمہ کو یہ بات ناگوار معلوم ہوئی وہ رونے لگیں اور سب کچھ سمجھ گئیں۔ کیونکہ ان چیزوں سے پہلے تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم، کی یہ عادت نہ تھی۔ اس لئے فوراً پردے کو دروازے سے اتار لیا اور دونوں

کنگن ہاتھ سے اتار لیئے اور حسین رضی اللہ عنہما کو بلا کر ایک کے ہاتھ میں کنگن اور دوسرے کے ہاتھ میں پردہ دیا۔ اور فرمایا کہ" اسے اپنے نانا جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے جاؤ اور سلام کے بعد میری طرف سے عرض کرو کہ آپ کے پیچھے ان چیزوں کے سوائے ہم نے کچھ نہیں بنایا ہے اب یہ آپ کی خدمت میں حاضر ہیں جو چاہیئے کیجئے"!

● جب صاحبزادے ان چیزوں کو لے کر آپ کی خدمت میں پہنچے اور اپنی والدہ ماجدہ کا پیغام پہنچایا تو آپ نے دونوں کے منہ پر بوسہ دیا اور شفقت سے اپنے زانوئے مبارک پر بٹھا کر اور خوش ہو کر حکم دیا کہ یہ دونوں چاندی کے کنگن توڑ دیئے جائیں پھر اہل صفہ کو جو مہاجرین میں سے تھے اور مسجد نبوی کے حجرے میں مسکنت وغربت کی وجہ سے پڑے رہتے تھے بلایا اور ان میں وہ چاندی کے ٹکڑے تقسیم فرما دیتے۔ پھر انہیں اصحاب صفہ میں سے ایک آدمی کو جس کے پاس کپڑا نہیں تھا۔ آگے بلایا اور اس دروازے کے پردے میں سے ایک ٹکڑا پھاڑ کر اسے دیدیا۔ اور اسی طرح ہر ایک کو تھوڑا تھوڑا ٹکڑا اس پردے میں سے عنایت کیا۔

اس سے فارغ ہو کر آپ نے فرمایا۔ خدا رحمت بھیجے میری بیٹی فاطمہ پر اور انکو حلّہا ئے جنت عطا کرے۔ اس بخشش کے بدلے میں جو انہوں نے کی اور اس پردے کے بدلے میں جس سے مسلمانوں کی ستر پوشی ہوئی اور جنت کا زیور پہنائے ان کنگنوں کے بدلے میں جو انہوں نے غرباء میں تقسیم کیئے۔

عمران بن حصینؓ کہتے ہیں کہ ایک دن آنحضرت صلعم مجھ کو ساتھ لے کر اپنی صاحبزادی حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا کی عیادت کے واسطے تشریف لے گئے اور دروازہ پر جاکر دستک دی اور ارشاد فرمایا السلام علیکم۔ میں اندر آؤں! حضرت سیدہ نے جواب دیا "تشریف لائیے" آپ نے فرمایا میں اور میرا ساتھی دونوں آئیں۔ سیدہ نے اندر سے دریافت کیا کہ آپ کے ساتھ کون ہیں! آپ نے فرمایا کہ "عمران بن حصینؓ" انہوں نے عرض کیا قسم ہے اس ذات پاک کی کہ جس نے آپ کو سچا نبی کرکے بھیجا ہے۔ میرے پاس ایک عبا کے سوائے اور کوئی کپڑا نہیں ہے" آپ نے دست مبارک سے اشارہ فرمایا کہ "اس کو اسطرح لپیٹ لو" حضرت سیدہ نے عرض کیا کہ بدن تو میں نے چھپا لیا۔ سر کیسے چھپاؤں۔ آپ نے اپنی چادر انکے پاس پھینکدی اور فرمایا "اس سے اپنا سر باندھ لو" حضرت سیدہ نے ایسا ہی کیا۔ اور بعد ازاں اندر آنے کی اجازت دی۔ آپ نے اندر جاکر فرمایا بیٹی آج تم کیسی ہو؟ سیدہ نے عرض کیا کہ میرے درد ہے اور اس درد پر ایک اور درد ہے۔ کہ میرے پاس کھانے کو نہیں بھوک نے نڈھال کر دیا ہے۔ آپ رو پڑے اور آب دیدہ ہوکر فرمایا اے لخت جگر تو مت گھبرا۔ بخدا میں نے تین دن سے کھانا نہیں کھایا۔ اور تیری بہ نسبت خدا تعالیٰ کے حضور میں زیادہ مقرب ہوں۔ اگر میں خدا سے مانگتا تو مجھ کو کھلا دیتا۔ مگر میں نے آخرت کو دنیا پر ترجیح دی اور اسی کو پسند کیا۔ یہ کہہ کر آپ نے انکے مونڈھے پر ہاتھ مار کر فرمایا "تجھ کو بشارت ہو کہ تو جنت کی عورتوں کی سردار ہے" ——

ایک مرتبہ آپ نے اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو مخاطب ہو کر فرمایا:۔

يَا فَاطِمَةُ بِنْتَ مُحَمَّدٍ سَلِيْنِيْ مَا شِئْتِ مِنْ مَالِيْ فَإِنِّيْ لَا أُغْنِيْ عَنْكِ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا (مشکوٰۃ) اے فاطمہؓ میرے مال میں سے جو کچھ تمہیں چاہیئے مانگ لو لیکن خدا تعالیٰ کے سامنے (قیامت کے دن) میں تمہارے کچھ کام نہ آؤنگا۔

مطلب یہ کہ عتاب الہٰی کا مجھ سے کوئی چارہ نہ ہوگا۔ آخرت کا زادِ راہ تم خود تیار کرو۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ حضرت امام حسنؓ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی والدہ ماجدہ حضرت فاطمہؓ کو دیکھا کہ جمعہ کی شب کو محراب میں کھڑی نماز پڑھ رہی ہیں اور صبح تک رکوع اور سجود فرماتی ہیں۔ بعد ختم نماز کے آپ نے مومنین اور مومنات کے لئے دعا کی تو میں نے کہا کہ اے مادرِ مہربان آپ اپنے لئے کیوں نہیں دعا مانگتیں" میری والدہ نے جواب دیا کہ" اول ہمسایہ کا کام کرنا چاہیئے پھر اپنا سبحان اللہ والحمدللہ۔ جب آپکی صاحبزادی کو ایثار علی النفس کا درجہ یہاں تک حاصل تھا۔ کہ اپنے کام پر ہمسایہ کو مقدم سمجھتی تھیں۔ اور اپنے اوپر انکو ترجیح دیتی تھیں تو آپکے اخلاق وایثار کا کیا ٹھکانا ہوگا۔ مختصر یہ کہ آپ کی ہر ادا قربان ہونے کے قابل ہے۔ اور آپ اپنی نظیر آپ ہی ہیں۔

امانت و دیانت

امانت و دیانت سے بڑھ کر انسان کے کھرا کھوٹا پرکھنے کے لئے کوئی

اور معیار نہیں۔ مومن وہی ہے اور مسلمان وہی ہے جو اس کسوٹی پر کھرا نکلے
قرآن پاک میں ارشاد ہے:۔

بَلٰی مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ	مسلمان وہ ہے جو خدا کی راہ میں
وَهُوَ مُحْسِنٌ (پ البقرۃ)	اپنے تمام وجود کو سونپ دے۔

مطلب یہ کہ اپنے وجود کو اللہ تعالیٰ کے لئے اور اس کے ارادوں کی پیروی کے لئے اور اسکی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے وقف کر دے اور اپنے وجود کی تمام عملی طاقتیں اس کی راہ میں لگا دے۔

وقف دو قسم کا ہوتا ہے۔ ایک یہ کہ خدائے تعالیٰ کو اپنا معبود اور مقصود اور محبوب ٹھہرایا جائے اور اسکے سامنے کسی اور کو کسی حال میں بھی شریک نہ سمجھا جائے۔ دوسرا یہ کہ اسکے بندوں کی خدمت اور ہمدردی چارہ جوئی کار برآری اور سچی غمخواری میں اپنی زندگی وقف کر دے اور دوسروں کے دکھ اٹھا کر ثابت کر دے کہ ع سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے۔

امانت:۔ سے مراد انسان کامل کے وہ تمام قویٰ، عقل، علم، دل جان وحواس اور تمام روحانی و جسمانی قوتیں ہیں جو خدا تعالیٰ ایک انسان کامل کو عطا کرتا ہے اور پھر انسان کامل مطابق آیت:۔ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا۔ (اے مسلمانو! اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانت (رکھنے) والوں کی امانتیں (جب مانگیں) انکے حوالے کرو) چنانچہ اس ساری امانت کو جناب باری میں واپس دیدیتا ہے یعنی اس کی راہ میں وقف کر دیتا ہے۔

وقف کی اس پہلی قسم کا ظہور جس قدر اتم و اکمل اور اعلیٰ ہمارے سید مولیٰ سید الانبیاء (صلی اللہ علیہ وسلم) کے وجود بابرکت میں ہے وہ کسی اور کے حصہ میں نہیں آیا۔ اسکی شہادت میں قرآن پاک کی وہ سند کافی ہے جس میں خود حضور صلعم نے فرمایا ہے۔ اَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ یعنی دنیا کی ابتداء سے اس کے آخیر تک مجھ جیسا اور کوئی کامل انسان نہیں جو اپنا اعلےٰ درجہ کا فنا فی اللہ ہو اور خدا تعالےٰ کی ساری امانتیں اس کو واپس دینے والا ہو۔

دوسری قسم وقف کی منبت بھی اس قدر کافی ہے کہ آپ لوگوں کی ہر ایک امانت اور ہر اس خدمت کو جو آپ کے ذمہ تھی۔ اس عمدگی اور خوبی سے پورا کرتے تھے کہ اسکی وجہ سے آپ تمام قوم میں ہر دل عزیز تھے۔ مصیبت زدہ اور مظلوم آپ ہی کی پناہ ڈھونڈتے تھے۔ یتیموں اور بیواؤں کی ڈھارس آپ ہی سے بندھتی تھی۔ غریب اور محتاج آپ ہی کا منہ تکتے تھے۔ بےکسوں اور بیماروں کا سہارا اور ماویٰ و ملجا آپ ہی کی ذات پاک تھی۔ امیر و شریف رئیس اور حاکم سب ہی کو آپ پر بھروسہ تھا۔ قوم نے آپکی ان خوبیوں پر شیفتہ ہو کر آپکو ایسا اعلیٰ اور قابل قدر خطاب عطا کیا تھا جو اس سے قبل کسی کو عطا نہیں کیا گیا تھا۔ یعنی "الامین" کا خطاب۔ قوم کی نگاہ جب اٹھتی تھی اور کسی امین کی تلاش ہوتی تھی تو ہر ایک شخص کی نظر آپ ہی پر پڑتی تھی جدھر آپ نکل جاتے تھے بیساختہ لوگوں کی زبان سے جَآءَ الْاَمِیْنُ جَآءَ الْاَمِیْنُ کا نعرہ بلند ہوتا تھا۔ اور آپ کے امین ہونے کا اس سے بڑھ کر اور

کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ وہی قوم جس میں آپ نے پرورش پائی وہی قوم دشمن سخت دشمن ہونیکے باوجود آپ کی خوبیوں کی معترف تھی۔ ابوجہل جیسے دشمن رسول اور دشمن اسلام نے ایک دن آپکی خدمت میں حاضر ہو کر کہا۔ اے محمدؐ میں تمہیں جھوٹا تو نہیں سمجھتا لیکن جس بات کی تم تعلیم دیتے ہو وہ میرے دل میں نہیں کھپتی دشفا،

آپکو بھی اپنی امانت و دیانت پر اس قدر بھروسہ تھا کہ انہیں لوگوں میں جو آپ کے حالات سے پورے پورے واقف تھے جن میں رہ کر آپ نے تربیت پائی جن کی آنکھوں کے سامنے آپ کا نشوونما ہوا جن کے سامنے آپکی مقدس زندگی کا صفحہ ہر وقت کھلا رہتا تھا۔ اور وہ اس کے ہر ایک پہلو کو بنظر عمیق و غور ہر روز مطالعہ کیا کرتے تھے۔ آپ نے بموجب الہام الہٰی تمام قوم، تمام ملک، تمام خویش و اقارب، تمام دوستوں اور دشمنوں، تمام اپنوں اور بےگانوں کو چیلنج دیا

اگر میں آج تک کسی طرح خائن یا مفتری یا کذاب ثابت نہیں ہوا تو پھر میں کس طرح آج افترا باندھ سکتا ہوں۔ یہی معیار نبوت تھا جس کی رُو سے کوئی مدعی پرکھا جا سکتا تھا۔ سطحی نظر سے دیکھنے والا تو شاید سمجھے کہ یہ کوئی بڑی بات نہیں۔ مگر سعید الفطرت اور پاک باطن انسان اس کا اندازہ کر سکتا ہے کہ یہ کس قدر زبردست دعویٰ ہے اور اس کا مدعی کیسا عظیم الشان انسان تھا۔ جس کو اپنے اعلیٰ کیرکٹر پر پورا پورا بھروسہ تھا کہ وہ ہر ایک قسم کے داغ دھبے سے بالکل پاک و صاف ہے۔

ہجرت کی رات کو جب کہ آپ نے مکہ معظمہ سے روانگی کی تیاری کی تو حضور نے سیدنا علیؓ کو پیچھے چھوڑ دیا۔ اور انکو حکم دیا کہ لوگوں کی امانتوں کو نہایت احتیاط سے) ادا کر کے چلے آنا۔ ایسی حالت میں بھی لوگوں کی امانتوں کا ادا کرنا وہ خاص ادا تھی جس پر سمجھنے والے دل وجان سے فدا ہوگئے۔

حقیقت یہ ہے کہ آپ کے خالق و مالک کائنات کے شہنشاہ نے خلعتِ رسالت عطا کرنے سے پیشتر آپ کو آپ ہی کی قوم کے ہاتھوں ایک تمغہ عطا کیا تھا۔ کہ اگر مخالفین ذرا بھی انصاف کی نظر سے دیکھیں تو سمجھ سکتے ہیں کہ ایسا بزرگ کہاں تک صادق ہوسکتا ہے

غرض امانت و دیانت ہی آپ کی کامیابی کا راز تھا۔ اسی لئے آپ کا ارشاد ہے۔

لَا اِیْمَانَ لِمَنْ لَا اَمَانَۃَ لَہٗ وَلَا دِیْنَ لِمَنْ لَا عَھْدَ لَہٗ

امانت میں جس شخص نے کی خیانت — نہ کیا پورا عہد بے عذر و حجت
نہیں اسکے ایماں کا ہرگز ٹھکانا — کلام خدا کو نہیں اس نے مانا

شفقت و رافت

تو وہ محبوب خالق ہے کہ جس پر رسول اللہ ﷺ جہاں بھر کی تمیں جتنی خوبیاں ہوئیں سب صدقے

شفقت و رافت جبتک کسی کے سینہ میں نہ ہو وہ کسی دوسرے انسان کی ہمدردی میں حصہ نہیں لے سکتا۔ جبتک کسی کے دل میں شفقت و رافت کا درد پیدا نہ ہو تب تک وہ کسی کی غمخواری نہیں کر سکتا۔ کسی کے خطا و قصور

سے بھی درگزر نہیں کرسکتا۔ بے شک خود انتقام لینے سے درگزر کرنا ایک عظیم الشان خلق ہے جس کا ظہور بہت ہی کم اولوالعزم انسانوں سے ہوا ہو اور اس کا ظہور کسی انسان سے اسی وقت ہو سکتا ہے۔ کہ جب اس کے سینہ میں شفقت و رافت کوٹ کوٹ کر بھری ہو۔

نبی کی سچائی کے لئے سب سے بڑا معجزہ یہ ہے کہ وہ کسی حالت میں بھی اپنے نفسانی جذبات کو اپنے روحانی جذبات پر غالب نہ آنے دے غیظ و غضب کی حالت میں بھی انصاف و رحم سے باہر قدم نہ رکھے۔ قابو پا جانے پر بھی اپنے دشمن سے اس طرح کا سلوک کرے۔ کہ جس سے اس کی شفقت و رافت کا اظہار ہو۔ یہ مسئلہ اس قدر نازک اور اہم ہے۔ اس قدر ادق اور مشکل ہے کہ جس کی نسبت اگر یہ کہا جائے تو بالکل سچ ہے کہ ایک شخص در و دیوار اور شجر و حجر سے اپنی صداقت کی گواہی دلا سکتا ہو مگر دشمن پر قابو پاکر اس سے درگزر نہیں کرسکتا۔ ممکن ہے کہ ایک شخص آگ میں کود کر زندہ و سلامت نکل آئے لیکن دیکھنا یہ ہے کہ غیظ و غضب کی ایک خفیف سی چنگاری بھی اس کے دامنِ حلم پر لگے تو اس کا کیا حال ہوتا ہے۔

ہاں یہ ضرور ہے کہ اس حالت کے اظہار کے لئے پہلے ایک شخص خطرناک طریق پر ستایا جائے۔ پھر انقلابِ زمانہ اس کے سامنے مغلوب اور ہزیمت خوردہ حالت میں بغرضِ انتقام لے آئے۔ اس کو طاقتِ انتقام بھی حاصل ہو۔ اور انتقاماً جو کچھ سزائیں تجویز کرے وہ سب حالات

ماضیہ کو مدنظر رکھتے ہوتے بالکل موزوں ہوں. لیکن پھر وہ اپنے دشمنوں کو معاف کر کے اپنی شفقت و رافت کا ثبوت دے۔

(۱) یہ تمام خصوصیات حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی پاک زندگی میں قدرت نے جمع کر دی تھیں، قریش مکہ نے جس قدر آپ کو اور آپ کے اعوان و انصار کو ستایا. اور دکھ دیا. جس قدر ایذائیں اس بے گناہ اور مظلوم جماعت کو ان بدفطرتوں نے پہنچائیں اس سے تاریخ دان بخوبی واقف ہیں ۔ مختصر یہ کہ دنیا کی تاریخ میں ایک بھی انسان ایسا نظر نہیں آتا کہ جس کی راہ میں اس قدر مصائب مختلف شکلوں اور صورتوں میں پیدا ہوتے ہوں۔ ایسی کوئی جماعت نظر نہیں آتی کہ جس پر اتنے مظالم روا رکھے گئے ہوں. مگر خدا کی شان دیکھئے کہ اس نے اسی مظلوم جماعت کا یہاں تک ساتھ دیا کہ ایک وہ فاتحانہ حیثیت سے مکہ میں داخل ہوتے. خدا کے جلال نے کفار پر رُعب ڈالا۔ اُمرائے مکہ سب کے سب ہیبت الٰہی سے مرعوب ہو گئے ۔ اور گردنیں جھک گئیں اور اسی حالت میں حضرت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے حضور میں خود بخود حاضر ہو گئے اور اپنے کرتوتوں کو یاد کر کے پچتانے لگے۔ اور اس خیال میں غوطے کھانے لگے کہ دیکھیں اب ہمارے حق میں کیا فیصلہ ہوتا ہے اور ہمارا ظلم و ستم اور فتنہ و فساد کیا روز بد دکھاتا ہے۔ شاہی مجرموں کی طرح دربار نبوی میں سر جھکائے کھڑے ہیں اور زبان حال سے یہ کہہ رہے ہیں ؎

مار ڈالو اس گھڑی یا مجرموں کو بخش دو — لو کھڑے ہیں ہاتھ باندھے ہم تمہارے سامنے

ادھر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ صرف اپنی ذاتی تکلیف ہی کا بدلہ لینا ہے بلکہ اپنے ہمراہیوں کی لاانتہا ایذاؤں اور نقصانوں کا انتقام بھی آپ کی زیر نظر ہے۔ اور ان بد قماش موذیوں کے لئے جو کچھ بھی آپ سزا تجویز کریں۔ عقلاً و نقلاً، شرعاً و عرفاً بجا اور درست ہے۔ چنانچہ عین امید و بیم کی حالت میں آپ نے اپنے دشمنوں سے فرمایا یَامَعْشَرَ قُرَیْش مَاتَرَوْنَ اِنِّیْ فَاعِلٌ فِیْکُمْ۔ لوگو! تم کو کیا خیال ہے کہ تمہارے ساتھ کیا معاملہ کیا جائیگا؟ یعنی تم اپنے مظالم کے بارے میں مجھ سے کیا امید رکھتے ہو۔ چونکہ وہ لوگ حضور والا کے کریمانہ اخلاق اور شفقت و رافت اور فیاضی قلب سے ناواقف نہ تھے۔ لہذا انہوں نے نہایت عاجزی سے بیک زبان عرض کیا خَیْرًا اَخٌ کَرِیْمٌ وَابْنُ اَخٍ کَرِیْمٍ

آپ کی ذاتِ مقدس ہے کریم ابن کریم ہو بس وہی کیجئے کرتے ہیں جو اعداسے کریم

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تمام اذیتوں جو ان ناقدر دانوں کے ہاتھ محض انہیں کی فلاحِ دارین کے لئے سہی تھیں در گزر فرما کر کمال شفقت و رافت اور عفو و ترحم سے آبدیدہ ہو کر فرمایا کہ "تم میرے بھائی ہو اور میں تم سے وہی کہتا ہوں جو یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے کہا تھا۔

لَاتَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ یَغْفِرُ اللّٰہُ لَکُمْ وَھُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ۔

آج تم پر کوئی ملامت اور کچھ الزام نہیں۔ خدا تم کو معاف کرتا ہے اور وہ بڑا رحم کرنے والا ہے۔ اِذْھَبُوْا اَنْتُمُ الطُّلَقَاءُ جاؤ میں نے تم سب کو چھوڑ دیا تم سب کو معافی دی تم پر آج کوئی گناہ نہیں۔۔۔

یہ کہہ کر آپ نے اپنے تمام لشکر کو حکم دیا کہ:-

لَا یَحِلُّ لِاَحَدٍ کُمْ اَنْ یَّحْمِلَ السِّلَاحَ بِمَکَّۃَ (مسلم شریف ودیگرکتب) تم میں سے کسی کو بھی حلال نہیں ہے کہ آج مکہ میں قتل کے لئے ہتھیار اٹھائے (بلکہ تم سب کو بھی میری طرح معاف کر دینا چاہئے)

(۲) منافقوں کی جماعت سے جس قدر دکھ اور تکلیفیں آپکو اور آپکے اصحاب کو پہنچیں وہ کسی اور سے نہیں پہنچیں۔ اس جماعت کا سردار ایک شخص عبداللہ ابن ابی نامی تھا۔ یہ شخص اسلام کا بڑا دشمن تھا۔ اور اس سے حضور اور مسلمانوں کو بڑی سخت اذیتیں پہنچی تھیں۔ اکثر موقعوں پر اس نے مسلمانوں کو طرح طرح کی منصوبہ بازیوں سے بہکانے کی کوشش کی۔ آپ کی پاک بیوی پر تہمت تراشنے والوں کا سردار بھی یہی تھا۔ ایسا دشمنِ اسلام جب مرا تو اس کے بیٹے نے حضرت رسول کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمت میں حاضر ہو کر درخواست کی کہ آپ اسکے جنازے کی نماز پڑھ دیجئے۔ صحابہؓ آپ کے منہ کی طرف تک رہے تھے کہ اسکی شرارتوں اور بدمعاشیوں کی وجہ سے آپ ابھی صاف جواب دیدیں گے۔ کہ ہم ایسے دشمن کی سفارش خدا کی سرکار میں کیونکر کر سکتے ہیں۔ ایسا کہنا آپ کے لئے بالکل شایاں تھا مگر آپ نے اپنے اخلاق کریمانہ سے فرمایا کہ میں چلتا ہوں اور اس کی نماز جنازہ پڑھتا ہوں۔ یہ سن کر حضرت عمر سے رہا نہ گیا اور حضور کو نماز پڑھنے روکا۔ اور قرآن پاک کی یہ آیت یاد دلائی کہ:-

اِسْتَغْفِرْ لَھُمْ اَوْلَا تَسْتَغْفِرْلَھُمْ (اے پیغمبر) خواہ تم انکے حق میں مغفرت

اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً — کی دعا کرو یا نہ کرو انکے لئے یکساں ہے۔
فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ — اگر تم ستر دفعہ بھی انکے لئے مغفرت کی
كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ (پ ۱۰ سورۃ توبہ) — کی دعا کرو گے تو خدا ہرگز انکی مغفرت
نہیں کرے گا۔ یہ انکے اس فعل کی سزا ہے کہ انہوں نے اللہ و رسول کے ساتھ کفر کیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے جواب میں فرمایا کہ "خدا نے ستر بار کے لئے فرمایا ہے کہ منافقوں کے حق میں تمہاری دعا نہیں سنوں گا تو میں ستر بار سے زیادہ دعا کرونگا۔ شاید قبول ہو جائے"۔ یہ فرما کر عبداللہ کے جنازے کی نماز پڑھائی بلکہ اس کے کفن کے لئے اپنے پہننے کا ایک کرتہ بھی عنایت فرمایا۔ نماز پڑھا چکے تھے کہ دوسری آیت نازل ہوئی جو اس آیت کے آگے ہے یعنی

وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ — والے پیغمبر، اگر ان میں سے کوئی مر جائے
مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى — تو تم ہرگز اسکے جنازہ پر نماز نہ پڑھنا
قَبْرِهٖ (پ ۱۰ سورۃ توبہ) — اور نہ اسکی قبر پر جا کر کھڑے ہونا
کیونکہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا اور یہ سرکشی ہی کی حالت میں مر گئے۔

غور کرنے والے غور کر سکتے ہیں اور سوچنے والے سوچ سکتے ہیں کہ آپکے وجود با برکت میں کس قدر شفقت و رافت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی ستر سے گنتی اور حصر مراد نہیں بلکہ صرف کثرت مراد ہے اور یہ اہل عرب کا خاص محاورہ ہے۔ جیسے ہمارے ہاں کبھی سو کبھی پچاس کبھی ہزار کہدیا کرتے ہیں۔

جیسے ایک فارسی شاعر کہتا ہے ؎

ہزار بار بشویم دہن بمشک و گلاب ہنوز نامِ تو گفتن کمال بے ادبی ست

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس محاورہ سے واقف تھے اور خوب واقف تھے۔ مگر بات صرف یہ ہے کہ آپ سرتاسر رافت و رحمت تھے وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝

درگزر اور شفقت و رافت آپکی جبلت میں داخل تھی اور ادھر خدا تعالےٰ کے عفو اور رحم سے بڑی بڑی توقعات تھیں چنانچہ آپ کی شفقت و رافت طبیعت نے ستر کے لفظ کا ایک حیلہ بنایا اور اپنا رحمۃ للعالمین ہونا ثابت کر دکھایا ؎

یارب تو کریمی و رسولِ تو کریم صد شکر کہ ہستیم میان دو کریم

(۳) اور وہ جو کرتہ عبداللہ کے کفن کے لئے دیا تھا۔ اس کا ماجرا بھی سنئے۔ وہ درحقیقت عبداللہ کے ایک احسان کا معاوضہ تھا کہ حضرت کے چچا عباس جب مسلمان ہوتے تو فی الوقت انکے کپڑے بدلوانے پڑے وہ آدمی تھے لحیم و شحیم عبداللہ کے کرتے کے سوا اور کسی مسلمان کا کرتہ انکے بدن میں نہ آیا۔ اللہ اللہ شفقت و رافت کے ساتھ کیسی غیور طبیعت واقع ہوئی تھی کہ ایک کرتے کے احسان کو بھی اتار رہے ہیں۔ یہ وہ باتیں ہیں کہ جن پر مخالفین اسلام بھی انصاف کی نظر ڈالیں تو انہیں آپ کے انسانِ کامل ماننے اور اپنی عقیدت کو آپ سے بڑھانے کے بغیر کوئی چارہ نہیں رہتا (یہ واقعہ اکثر کتبِ احادیث و تفسیر میں بوضاحت درج ہے)

(۴) حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ایک خالہ زاد بھائی مسطح نامی تھا وہ بڑا مفلس تھا۔ یہ ہجرت کر کے مدینہ طیبہ میں آرہا تھا۔ اور جنگ بدر میں بھی شریک ہوا تھا۔ چونکہ وہ بہت غریب اور نادار تھا۔ اس لئے حضرت صدیق اکبر روپیہ پیسہ سے اس کی مدد کیا کرتے تھے۔ آپ کے حرم محترم کی نسبت واقعہ بہتان کے چرچے میں وہ بھی شامت اعمال سے شریک ہو گیا۔ حضرت صدیق اکبرؓ کو جب پتہ چلا تو وہ اس کی امداد سے دستکش ہو گئے اور آپ کا دستکش ہو جانا بالکل راستی اور انصاف پر مبنی تھا۔ جب حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ نے حضرت ابو بکر صدیق کو بلا کر فرمایا کہ خدا تعالیٰ نے مسطح کی سفارش کی ہے اور قرآن پاک کی یہ آیت پڑھی کہ

وَلَا يَأْتَلِ أُولُو الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ	تم میں سے جو لوگ بزرگ اور صاحب مقدور
أَنْ يُؤْتُوا أُولِي الْقُرْبَىٰ وَالْمَسَاكِينَ	ہیں قرابت والوں اور محتاجوں اور
وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلْيَعْفُوا	اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو
وَلْيَصْفَحُوا ۔ ع ربہا سورہ نور)	(مدد خرچ) نہ دینے کی قسم نہ کھا بیٹھیں

بلکہ چاہئے کہ ان کے قصور بخش دیں اور درگزر کریں۔

حضرت صدیق اکبرؓ نے یہ سن کر اپنی امداد بدستور جاری کر دی۔ یہ واقعہ بھی اسلامی اخلاق وصداقت کا ایک کافی ثبوت ہونے کے علاوہ صدیق اکبرؓ کی للہیت کا اعلیٰ درجہ کا ثبوت ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تو اپنے تئیں اسلام پر وقف کر رکھا تھا۔ اسلام کے مقابلہ میں آپ کو نہ اپنی جان کی پروا تھی نہ مال کی۔ نہ دنیا کی آبرو کی۔ آپ کی دوستی ومحبت بھی خدا ہی کے لئے تھی اور

دشمنی وعداوت بھی خدا کے لئے تھی۔ غور کرو کون ایسا انسان ہے جو نہ صرف اپنوں اور بیگانوں سے ہی بلکہ اپنے دشمنوں اور بدخواہوں سے بھی اس درجہ کی شفقت ورافت عفو ورحم سے کام لیتا ہو۔ کاش مسلمان اس اسوۂ حسنہ کو مدنظر رکھتے اور اپنی حالت کا اس سے موازنہ ومقابلہ کرتے۔

شنیدم کہ مردانِ راہِ خدا ‌ ‌ ‌ دل دشمناں ہم نہ کردند تنگ
ترا کے میسر شود ایں مقام ‌ ‌ ‌ کہ با دوستانت خلاف ست جنگ

(۵) حضرت سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی شفقت ورافت اس درجہ کی تھی کہ ہر ایک شخص یہ سمجھتا تھا کہ مجھ سے آپ کو زیادہ محبت ہے۔ آپ کی عادت تھی کہ صبح کی نماز کے بعد ہر ایک صحابی کا حال دریافت فرماتے اور مناسب سلوک کرتے (بخاری شریف)

(۶) آپ کی شفقت ورافت کا یہ حال تھا کہ اہل مدینہ کی باندیوں میں سے کوئی باندی آپ کا ہاتھ پکڑ کر اپنے کام کے لئے جہاں چاہتی تھی لے جاتی تھی اور آپ بوجہ تواضع عذر نہیں کرتے تھے۔ (بخاری شریف)

(۷) ایک دن ایک عورت راستہ میں آپ کو مل گئی اور عرض کیا کہ یارسول اللہ مجھے آپ سے کچھ عرض کرنا ہے۔ انس رضؓ فرماتے ہیں کہ حضرت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا کہ "میں حاضر ہوں جہاں چاہے مجھ سے اپنا ماجرا بیان کر" اس عورت نے آپ کو وہیں ایک گلی میں بٹھا لیا اور آپ اسکے خاطر وہیں گلی میں بیٹھے رہے (کیمیائے سعادت) اور مسلم کی روایت میں ہے کہ وہ عورت آپ کو گلیوں میں لے کر پھرتی رہی۔ جب تک اس کا مطلب پورا

نہ ہوا۔ اور بخاری شریف میں ہے کہ اس کا دماغ پھرا ہوا تھا۔

(۸) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے ایسا زبردست اور وسیع خلق عظیم مرحمت فرمایا تھا۔ کہ آپ کے حد سے زیادہ دشمن جانی بھی موقع پڑنے پر آپ کے اخلاق حسنہ کے بے اختیار قائل ہو جاتے تھے۔ نوجوان مردوں اور عورتوں پر جو شفقت آپ فرمایا کرتے تھے اس کی کوئی حد نہ تھی مگر خاص کر بچوں اور بوڑھوں کے ساتھ جس شفقت و محبت سے حضور پیش آیا کرتے تھے اس کی نظیر تاریخ عالم میں مفقود ہے۔ زمانہ جاہلیت میں اہل عرب فقر وعار کے ڈر سے اپنی لڑکیوں کو زندہ درگور کر دیتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے اس رسم بد کا ایسا قلع قمع ہو گیا کہ جو کسی دنیوی قانون سے ہرگز ممکن نہ تھا۔

(۹) عام بچوں کے ساتھ اور بالخصوص یتیم بچوں کے ساتھ آپ کو کمال محبت تھی۔ جب کوئی نئی چیز آتی حضور بچوں میں تقسیم فرما دیتے۔ اکثر دیکھا جاتا کہ آپ بچوں کو کاندھوں پر اٹھائے پھرتے۔ حضرت سہل بن سعد فرماتے ہیں کہ حضور نے فرمایا میں اور یتیم کا متکفل خواہ وہ یتیم اس کے رشتہ داروں میں سے ہو یا اجنبیوں میں سے ہو بہشت میں یوں ہوں گے اور آپ نے دو انگلیاں ملا کر یہ اشارہ فرمایا۔

(۱۰) ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ آپ نماز پڑھ رہے تھے۔ صحابہؓ پیچھے صف بستہ استادہ تھے صاحبزادہ حسنؓ آئے اور آپ جب سجدہ میں گئے تو آپ کی گردن مبارک پر بیٹھ گئے اور دیر تک بیٹھے رہے جب تک خود اٹھ کر نہ

چلے گئے۔ حضورؐ نے سجدہ سے سر نہ اٹھایا۔ صحابہؓ نے صاحبزادے سے کہا تم کیسے بیباک ہو گئے کہ ہمارے نبی کی گردن پر بیٹھ جاتے ہو۔ آپ نے فرمایا کہ کچھ نہ کہو یہ جو کچھ کریں ہمیں منظور ہے۔" اکثر کتب حدیث و سیر)

(۱۱) ایک دفعہ ایک بڑھیا عورت آپ کے پاس آئی۔ آپ نے چادر مبارک اس کے نیچے بچھا دی اور نہایت مؤدبانہ لہجے میں فرمایا" اے مادر مہربان آپ کا آنا مبارک ہے۔ آپ جس کام کے لئے آئی ہیں وہ بے دریغ بیان فرمائیں۔ میں اس کو پورا کروں گا۔ چنانچہ اس نے اپنا مدعا ظاہر کیا۔ آپ نے اس کی خواہش پر بہت سا سامان مال غنیمت میں سے اس کو عطا کیا۔ اس بڑھیا نے اس سامان کو بعوض لاکھ درہم کے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ لکھا ہے کہ یہ بڑھیا عورت آپ کی دایہ تھی جس نے آپکو بچپن میں دودھ پلایا تھا۔ (کیمیائے سعادت)

(۱۲) حضرت ابو بکر صدیقؓ فتح مکہ کے بعد اپنے ضعیف محروم البصر باپ کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مبارک میں بیعت کے واسطے لائے حضور نے ارشاد فرمایا" تم نے ضعیف کو کیوں تکلیف دی میں خود چلا آتا۔"

(۱۳) آپ کا مبارک ارشاد ہے جو آب زر سے لکھنے کے قابل ہے کہ:۔

لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَّمْ يَرْحَمْ صَغِيْرَنَا — جو شخص چھوٹوں پر رحم نہیں کرتا اور
وَلَمْ يُوَقِّرْ كَبِيْرَنَا (الترمذی) — بڑوں کا ادب نہیں کرتا وہ ہم (یعنی مسلمانوں) میں سے نہیں۔ سه

مگر سچے مومن جہاں میں وہی ہیں — وہی جنتی اور شریف آدمی ہیں

کریں جو کہ چھوٹوں پہ رحم اور شفقت بڑوں کی کریں عزت و قدر و عظمت

(۱۴) ایک بار آپ نے حضرت امام حسنؓ کے منہ پر پیار سے بوسہ دیا۔ ایک شخص نے عرض کیا میرے دس بیٹے ہیں میں کسی کو اس طرح پیار نہیں کرتا۔ آپ نے اس کے جواب میں فرمایا مَنْ لَا يَرْحَمْ لَا يُرْحَمْ (بخاری، مسلم) کہ جو کسی پر رحم نہ کرے گا اس پر خدا بھی رحم نہ کرے گا۔

خدا کو اس پہ نہیں کچھ ترس آتا ۔ نہیں جو کہ اوروں پہ ہے ترس کھاتا

(۱۵) آپ کا ارشاد تھا کہ دوسروں کی باتیں مجھے نہ سنایا کرو۔ کیونکہ میں چاہتا ہوں کہ جب دنیا سے جاؤں تو میرا سینہ سب کی طرف سے صاف ہو (شفا)

(۱۶) آپ عبادات نافلہ چھپ کر ادا فرمایا کرتے تاکہ امت پر اس قدر عبادت کا کرنا شاق نہ ہو۔ جب کسی معاملہ میں دو صورتیں سامنے آئیں تو از راہ شفقت و رافت آسان کو اختیار فرماتے۔ (بخاری)

(۱۷) ایک بار سورج گرہن ہوا۔ نماز کسوف میں حضور انور (صلی اللہ علیہ وسلم) روتے تھے اور دعا فرماتے تھے جس سے آپکی شفقت و رافت پر پوری روشنی پڑتی ہے۔ آپ کی دعا کے یہ الفاظ تھے:-

رَبِّ الم تعدنی ان لا تعذبھم	اے پروردگار تو نے وعدہ فرمایا ہے
وانا فیھم وھم یستغفرون ونحن	کہ ان لوگوں کو عذاب نہ دیا جائیگا
نَسْتَغْفِرُكَ (زاد المعاد)	جب تک کہ میں ان لوگوں کے درمیان

موجود ہوں اور یہ سب استغفار بھی کر رہے ہیں۔

(۱۸) آپ کا مبارک ارشاد جو شفقت و رافت کی جان ہے اس کو بھی

نے شعب الایمان میں اس طرح روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا اَلخلق عیال اللہ فاحب الخلق الی اللہ من احسن الی عیالہ ؎

یہ مخلوق ہے ساری کنبہ خدا کا
پیارا ہے سب سے وہی کبریا کا
ہے جس کا سلوک اپنے کنبے سے بہتر
جسے خلق سے ہے محبت سراسر

عفّت و عصمت اور شرم و حیا

انسانی اوصاف میں شرم و حیا بھی ایک اعلیٰ شرافت و نجابت کا جوہر ہے۔ تزکیۂ قلب اور تصفیۂ رُوح کے لئے یہ ایک بہترین نسخہ ہے اس لئے حضرت نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا مبارک ارشاد ہے کہ شرم و حیا ایمان کی علامت ہے۔ اور شرم و حیا ہی عفت و عصمت کا حصن حصین ہے ؎

نہیں شرم جس کو خلق اور خدا سے
بچیگا وہ کیونکر گنہ اور خطا سے
حیا کی صفت جس بشر میں نہیں ہے
نہ قائم ہے ایمان اسکا نہ قائم ہے دین

(۱) اس خاص وصف شرم و حیا میں بھی مثل دیگر اوصاف حسنہ کے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس اعلیٰ مقام پر تھے کہ اگر آپ کو شرم و حیا کا معدن کہا جاتے تو بجا ہے۔ حضرت ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ پردہ نشین اور کنواری لڑکیوں سے زیادہ حضورِ انور میں حیا تھی۔ جب کوئی بات خلاف مزاج مبارک سنتے (یعنی شرم سوز) تو فوراً چہرہ مبارک سے معلوم ہو جاتا تھا (بخاری، شفاء)

(۲) سلیمان بن حارث کہتے ہیں کہ ایک دن دو آدمی باہم گالی گلوچ کر رہے تھے تو آپ کا چہرہ مبارک سُرخ ہو گیا۔ اور آپ کی رگیں پھول گئیں یعنی

آپ ایسی بے شرمی کی باتوں سے سخت ناراض ہوتے تھے (بخاری شریف)

(۳) حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود تکلیف اٹھا لیتے لیکن دوسروں سے (شرم وحیا کی وجہ سے) نہیں فرمایا تے تھے۔ ام المومنین صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ اگر کسی شخص کی کوئی حرکت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ناپسند آتی تو اس کا نام لے کر منع نہ فرماتے بلکہ عام الفاظ میں اس فعل کی ممانعت فرما دیتے (شفا و ابوداؤد)

(۴) جب کوئی شخص قصور کی معافی چاہتا تو حضور شرم سے گردن جھکا لیتے۔ (شفا)

(۵) حضرت صدیقہ کا یہ بھی بیان ہے کہ میں نے (خلوت وجلوت میں) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی برہنگی کو کبھی نہیں دیکھا (شفا و ترمذی)

(۶) آپ میں شرم وحیا اس قدر تھی کہ ایک دفعہ جب آپ نابالغ تھے اور خانہ کعبہ کی مرمت کے لئے اینٹیں ڈھو رہے تھے آپ کے چچا حضرت عباسؓ نے آپ کو دیکھا کہ آپ کا کندھا اینٹوں کی رگڑ سے چھل گیا ہے۔ دفعتہً آپ کے چچا نے آپ کے تہہ بند کو کھول کر آپ کے کندھوں پر رکھ دیا۔ اور کہا کہ بیٹا کیوں یہ کپڑا اینٹوں کے نیچے نہیں رکھ لیتے۔ مگر تہہ بند کا کھلنا تھا کہ آپ بیہوش ہو کر گر پڑے اور مارے شرم کے آپ نے اپنے منہ کو آسمان کی طرف کر لیا اور اس وقت تک بے ہوش رہے جب تک کہ پھر تہہ بند اسی طرح نہ باندھ دیا گیا (بخاری شریف)

(۷) آپ کی دایہ حلیمہ سعدیہ کا بیان ہے کہ اگر کبھی آپ کا ستر کھل جاتا تھا آپ رونے لگتے تھے اگر ڈھانکنے میں کچھ توقف ہو جاتا تو غیب سے پوشیدہ کیا جاتا تھا۔ حقیقت میں آپ کو اللہ تعالیٰ نے بچپن ہی سے قلب

سلیم عطا فرمایا تھا جس میں عفت وعصمت حیا وامانت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔

(۸) آپ کی شرم وحیا کا یہ حال تھا کہ آپ نے ہاتھ پیر اور چہرہ کے سوا جسم کا کوئی حصہ خصوصاً ستر کبھی برہنہ نہیں ہونے دیا۔ اگرچہ مرد کے لئے جسم میں ناف سے زانوں تک حصہ بدن کو چھپانا فرض ہے اور اس کے علاوہ دیگر حصص جسم کا برہنہ کرنا روا ہے۔ لیکن حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پشت اور شکم تک کو نہ کھولتے تھے اور خواب وبیداری مجمع وتنہائی اور ہر موقع پر جسم کو لباس سے پوشیدہ رکھنے میں کامل احتیاط فرماتے تھے۔ آپ ہر وقت نگاہ نیچی رکھتے تھے۔ کسی کا عیب دیکھنے یا معلوم کرنے میں کوشش نہ فرماتے اور اگر اتفاقاً کسی بری بات پر نظر جا پڑتی تو فوراً اس طرف سے نگاہ پھیر لیتے تھے اور پردہ پوشی اور اغماض پر عامل رہتے۔

(۹) حضرت ام عطیہ فرماتی ہیں کہ قسم ہے خدائے تعالےٰ کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ نے کسی غیر عورت کے ہاتھ کو نہیں چھوا۔ آپ عورتوں سے صرف زبانی بیعت لیتے تھے۔ اور بیعت لے کر زبانی ارشاد فرماتے کہ میں نے تم سے بیعت لے لی۔" (بخاری شریف)

(۱۰) ایک مرتبہ کسی کو خلافِ قاعدہ وضو کرتے دیکھا۔ اسے بتانا آپ کا فرض تھا۔ مگر بتقاضائے حیا زبان سے کچھ نہ فرمایا بلکہ اس آدمی کے روبرو وضو کر کے اسے دکھایا اور فرمایا کہ یوں کرنا لازم ہے۔

(۱۱) پچیس ۲۵ سال کی عمر تک حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے شادی نہیں کی

تجرد کا یہ زمانہ جو عین عنفوانِ شباب کا عالم تھا کمال عفت و عصمت، شرم و حیا سے بسر ہوا۔ اور دیکھنے والوں کی شہادت موجود ہے کہ حضور پردہ نشین کنواری لڑکیوں سے بڑھ کر باشرم و حیا تھے۔ تو اب اس بات کے مان لینے میں کسی عقلمند کو کوئی تامل نہیں ہو سکتا کہ آپ تمام لوگوں سے بڑھ کر ایک ایسے شرم و حیا والے اور عفت اور عصمت کے مالک تھے کہ جس کی نظیر تلاش کرنا محال ہے۔

(۱۲) آپ کی عفت عصمت کا سب سے بڑا اور عمدہ ثبوت پردہ کی مشروعیت ہے آغاز اسلام میں عورتیں بے پردہ اور بے نقاب رہتی تھیں۔ اور آپ بحیثیت معلّم اخلاق ہونے کے اس بات کو بخوبی جانتے تھے کہ عورت کی بے پردگی اور مردوں اور عورتوں کا بے حجابانہ اور آزادانہ میل جول نہایت خطرناک بات ہے۔ اس سے بدکاری کی وہ تحریک پیدا ہوتی ہے جو اخلاق وعصمت کو خراب کر دیتی ہے۔ لہٰذا عورت کو پردہ کا حکم دیا اور منع کیا کہ اپنا زیور اور سنگار خاص شوہر یا اُن رشتہ داروں کے سوا جن سے نکاح حرام ہے اور کسی پر ظاہر نہ کرو۔ محض اس لئے کہ بدچلنی اور آوارگی کی پہلی تحریک نظارہ بازی سے ہوا کرتی ہے گو آنکھوں سے دیکھنا زنا اور گناہ نہیں مگر پھر بھی یہ گناہ کا پیش خیمہ ضرور ہے اس لئے مسلمان مردوں اور عورتوں کو نیچی نگاہ رکھنے کے علاوہ یہ بھی تاکید فرمائی کہ وہ اپنے پاکیزہ اطوار کو نہ بدلیں اور بدنظری سے محترز رہیں تاکہ وہ گناہ سے بچے رہیں بس نہیں جس کی آنکھوں میں شرم و حیا ہی گناہوں کے کرنے میں پھر پاک کیا ہے

(۱۳) قرآن کریم کا ایک عام اصول ہے کہ وہ مبادیات گناہ تک سے روکتا ہے۔ جو تقویٰ اللہ کی باریک سے باریک راہ ہے۔ خدا تعالیٰ نے تمام مومنین کو شرم و حیا کے لئے نگاہیں نیچی رکھنے کی ہدایت فرمائی ہے جو ان کے لئے پاک اور بہترین نتائج کی مثمر ہے۔ اللہ تعالےٰ ہم کو اور تمام مسلمانوں کو اس پاک اسوہ پر ہدایت اور عمل کی توفیق بخشے۔ آمین۔

ازواج مطہرات کے ساتھ محبّت

تمام مخلوق کی ترکیب پر نگاہ دوڑانے سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر اس ترکیب میں اعتدال ہے تو وہ چیز اپنے حال پر ہے اور اگر وہ اعتدال سے کم و بیش منحرف ہے تو قریب بہ زوال ہے۔ ہر چیز کی ترکیب کا اعتدال گویا اس کی جان ہے۔ اسی طرح فطرت کی جان اعتدال ہے۔ اگر کسی شخص کی کشش اپنے اعتدال سے ذرا منحرف ہو تو سارا عالم تہ و بالا ہو جائے۔ آفتاب و ماہتاب ٹکرانے لگیں۔ کوہ و دریا روئی بن بن کر اڑ جائیں۔ اسی طرح سمجھو کہ مذہب کی جان مذہبی اعتدال ہے۔ مذہب ہی پر کیا موقوف ہے ہر کام چاہے دنیاوی ہو یا دینی۔ سب میں اعتدال رکھنا ضروری اور لابدی ہے۔ ورنہ حقیقی کامیابی محال ہے۔ اس اعتدال کا سبق اب اگر قانون فطرت سے لیا جائے۔ تو یہ قانون ایشیا۔ یورپ۔ افریقہ اور امریکہ ہی کی چار جلدوں میں مجلد نہیں ہے بلکہ جس طرح یہ قانون سارے برِ اعظم میں ہے۔ اسی طرح سارے بحر اعظم میں بھی ہے۔ جس طرح خشکی میں ہے

ویسا ہی تری میں بھی ہے۔ جزیروں میں بھی اور ہوا کے ذروں میں بھی ہے۔ زمین میں بھی ہے اور آسمان میں بھی ہے۔ چاہے آسمان کو جو کچھ سمجھو مگر قانونِ فطرت ہر جگہ دائر و سائر ہے۔

حضرت نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم سے پہلے چونکہ زمانہ کی ترقی۔ دماغ کی ترقی، عالم شباب کو نہیں پہنچی تھی۔ اس لئے اس وقت کا اعتدال کچھ اور تھا اور اسی کے مطابق آسمانی کتب نازل ہوتی رہیں مگر جب زمانہ ترقی کر گیا۔ یعنی دماغ نے اپنا پورا عروج وکمال حاصل کر لیا اور نبی آخرالزماں صلے اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو آپ ایسا قانون لائے جو دماغ و فطرت دونوں کے کمال کے مطابق ہے۔ اور اعتدال پر مبنی ہے۔ پھر جب ایسے نسخے سراسر اعتدال پر مبنی ہوں موجود ہوں تو چاہے گرم ملکوں میں استعمال کرو چاہے سرد ملکوں میں۔ چاہے گرم موسم میں چاہے سرد موسم میں مگر وہ تمام ہر جگہ اور ہر وقت یکساں مفید پڑیں گے۔ زمانہ ہزاروں پلٹے کھائے ہزاروں الٹ پھیر ہوں ہزاروں ترقیاں ظہور میں آئیں۔ چاہے زمانہ اسی عالم شباب میں رہے۔ یا دو چار ہزار برس اور پرانا ہو جائے مگر یہ نسخے بالکل فطرت کے مطابق مزاج کے موافق بنے ہوتے ہیں۔ یہ اسی وقت غیر موثر ثابت ہوں گے۔ جس وقت فطرت بدل جائے گی اور فطرت کا مزاج حد اعتدال سے منحرف ہو جائے گا۔ جب فطرت نہیں بدل سکتی تو اسلامی قوانین بھی جو سراسر اصول فطرت پر مبنی ہیں ہرگز نہیں بدل سکتے جب قانونِ فطرت نے بدیہی طور پر یہ دکھلا دیا ہے کہ گرم ملک

ہو یا سرد لڑکیاں زیادہ پیدا ہوتی ہیں۔ اس لئے قرآن پاک نے بلحاظ انکی پیدائش اور انکے بانجھ ہونے اور ایامِ حمل، ایام نفاس اور ایام رضاعت کے مردوں کو چار (۴) نکاحوں کا مجاز بھی کیا ہے جو ہر حالت اور ہر صورت میں جائز ضرورت اور لابدی حاجت کے لئے بہترین نسخہ ہے یورپ کا قانون مذہبی نہیں بلکہ ملکی آئین ہے (کیونکہ بائبل میں تعداد ازدواج کی ممانعت نہیں) اور اکثر الوالعزم رسولوں کی یہ تعداد کثیر بیویاں بیان کی گئی ہیں۔ مگر ہماری قوم بھی عجیب قوم ہے۔ جب کسی مغربی انسان کی جانب سے کثرتِ ازدواج کی مخالفت ہوئی تو لگے قرآنِ کریم کی تاویل کرنے اور کہنے لگے کہ قرآنِ پاک کی رُو سے بھی جائز نہیں۔ لوگ یہ بھی نہیں دیکھتے کہ توراۃ میں اس کی نسبت کیا ہے۔ اسلام ہی میں یہ قاعدہ ہے یا پہلے بھی تھا؟۔

افسوس ہے ایسے لوگوں پر انہوں نے اتنا بھی نہیں سوچا اور نہ غور کرنے کی زحمت گوارا کی کہ عرب کی آب و ہوا اور یورپ کی آب و ہوا میں بہت بڑا فرق ہے عرب کے رسم و رواج یورپ کے لئے اور یورپ کے رواج و رسم عرب کے لئے کسی حالت میں بھی موزوں نہیں ہو سکتے عرب لوگ قوی تھے گرم مزاج رکھتے تھے .. ایک بیوی رکھ کر شہوت پرستی اور بے حیائی سے نہیں بچ سکتے تھے۔ کئی کئی بیویاں رکھتے تھے حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے آکر اس کا انسداد کیا۔ کثرت ازدواج توریت میں بھی جائز تھی۔ آپ نے ضرورت کے لحاظ سے معدوم نہیں کیا

بلکہ اس کی اصلاح کی ترکیب نکالی ۔ ہر ایک شخص اس بات کا اندازہ لگا سکتا ہے ۔ کہ جس کی دو بیویاں ہوں ان میں کیسے جھگڑے ہوتے ہیں ۔ کیسی بری گت بنتی ہے ۔ مقدس اسلام نے اس کو سلجھانے کی تدبیر نکالی ۔ قرآن پاک نے عدل کی شرط لگا دی ۔ یعنی اگر ایک سے زیادہ بیوں کے ساتھ انسان عدل نہ کر سکے تو پھر ایک ہی بیوی ہونی چاہیئے ۔

حضرت نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے عدل کی تشریح ایسے انداز میں بیان فرمائی ہے کہ اگر انسان خالی الذہن ہو کر اس پر غور فکر کرے تو اسے معلوم ہو سکتا ہے ۔ کہ آپ کا حکیمانہ طرز عمل اس مسئلہ پر کافی روشنی ڈال اس کو درجہ اعتدال پر لانے کا حد سے زیادہ خواہشمند ہے اور اس بات کے لئے کہ اگر کسی کی دو یا دو سے زیادہ چار تک بیویاں ہوں ۔ تو اس کو اپنی بیویوں میں کس طرح کا برتاؤ ۔ اور حسن سلوک اور عدل و انصاف مدنظر رکھنا چاہیئے ۔ اس کا نمونہ آپ نے خود اپنی ذات میں دکھایا ہے

ایک سعید الفطرت انسان جس قدر غور و خوض کرے گے اور تاریخ کے اوراق کی ورق گردانی کر کے حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے مبارک حالات سے واقفیت پیدا کرے گا ۔ اسی قدر اس کو اس بات کا قائل ہونا پڑے گا کہ آپ مکمل اخلاق اور تمام اوصاف حسنہ سے ایسے متصف تھے کہ ویسے اخلاق اور اوصاف کا کسی دوسرے انسان میں تلاش کرنا محال ہے ۔ آپ کی معاشرت کے وہ طریق جو آپ اپنے گھر میں اپنی بیوں سے مخلی بالطبع ہو کر برتتے تھے اور جس حسنِ اخلاق اور محبت سے اپنی بیوں سے پیش آتے تھے ۔ اس کی شہادت اس سے بڑھ کر

اور کیا ہو سکتی ہے کہ جب آپ پر وحی کا نزول ہوا تو آپ سیدھے گھر آئے۔ اپنی بیوی خدیجہ کو ماجرا سنایا تو انہوں نے عرض کیا کہ میں دیکھتی ہوں کہ آپ اقربا پر شفقت فرماتے ہیں۔ سچ بولتے ہیں۔ رانڈوں، یتیموں، بیکسوں کی دستگیری فرماتے ہیں۔ مہمان نوازی کرتے ہیں اور مصیبت زدوں سے ہمدردی کرتے ہیں۔ اس لئے میرا خیال ہے کہ خدا آپ کو یونہی نہ رکھے گا۔ نبوت کے پہلے ہی دن آپ کی بیوی حضرت خدیجہؓ کا اسلام قبول کر لینا آپ کی پاک باطنی اور سچائی قلب کی کامل شہادت ہے

اپنی بیوں کے ساتھ آپؐ کا جیسا بے نظیر برتاؤ تھا وہ ایک ایسے انسان کے لئے جس کا دل تعصب اور دشمنی سے پاک ہو۔ اس کامل واکمل ہادی کی صداقت اور سچائی کے تسلیم کر لینے کے لئے بالکل کافی ہے۔ اس بارے میں حضرت صدیقہؓ سے بڑھ کر اور کون واقف ہو سکتا ہے۔ آپ فرماتی ہیں کہ حضرت ہم پر بڑے شفیق تھے کبھی انہوں نے کوئی کام کرنے کے لئے ہمیں نہیں فرمایا۔ کبھی نہیں فرمایا میرے خاطر کرو بلکہ خود ہماری خدمت کے لئے کمر بستہ ہو جاتے تھے (بخاری ومسلم)

اسود کہتے ہیں کہ میں نے ام المومنین صدیقہؓ سے دریافت کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں کیا کام کرتے تھے تو آپ نے فرمایا کہ "حضرت گھر والوں کی خدمت میں مشغول رہا کرتے تھے" (بخاری)

ایک بار آپ نے اپنی عائشہؓ اور حفصہؓ کی خاطر شہد کا استعمال چھوڑ دیا۔ کیونکہ انہوں نے شہد کی بو کو اپنی طبع کے خلاف بتایا (بخاری شریف) ایسا کرنا آپ کا اس وجہ سے تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ازواجِ مطہرات کے ساتھ اسطرح

سلوک فرما کر یہ سکھانا چاہتے تھے کہ تمہاری بیوی کو جن چیزوں سے نفرت ہو اور ان کی طبع کے خلاف ہوں تو انکو ترک کردو تاکہ تم دونوں میں کسی طرح کی شکر رنجی پیدا نہ ہونے پائے۔ مگر آپ کے ایسا کرنے سے کسی حلال سے استعمال یا انتفاع میں کوئی روک پیدا کرنا مقصود نہیں تھا۔ چنانچہ اللہ عزوجل نے یہاں تک زہد کو بڑھانے سے منع کیا۔ کلامِ باری تعالیٰ ہے:۔

یا ایھا النبی لم تحرم ما احل اللہ لک تبتغی مرضات ازواجک (پ ۲۸ س تحریم)	اے نبی جس چیز کو خدا نے تیرے لئے حلال کیا ہے تو نے اس کو اپنی بیویوں کو خوش کرنیکے لئے کیوں اپنے اوپر حرام کرلیا ہے۔

آپ جب کبھی سفر میں باہر جایا کرتے تھے تو اپنی بیویوں کے درمیان قرعہ ڈالتے تھے کہ اپنے ساتھ کسے لے جائیں یہ آپ کے عدل و مساوات کا حال تھا۔ اور حضرت صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ آپ جب بیماری کے بڑھ جانے سے بہت لاچار ہوگئے تو آپ نے میرے گھر میں رہنے کے واسطے اپنی بیویوں سے اجازت مانگی انہوں نے اجازت دیدی اور آپ میرے گھر میں اخیر وقت تک تشریف فرما رہے (بخاری شریف)

آپ نے کبھی اپنے ہاتھ سے اپنے خادم اور عورت کو نہیں مارا اور نہ کبھی لعنت کی (مسلم)

حضرت ابوہریرہؓ نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپنے فرمایا جب کوئی شخص تم میں سے (اپنی بیوی بچوں یا غلام) کسی کو مارے تو چاہئے

کہ منہ پر مارنے سے پرہیز کرے (بخاری شریف)

آپ کا ارشاد پاک ہے عورت کو ایسا سمجھو جیسے پسلی کی ہڈی۔ ہڈی کو اگر سیدھا کرنے کی کوشش کروگے تو توڑ بیٹھوگے۔ اور اگر اس سے کام لینا چاہوگے تو وہ ٹیڑھے پن ہی میں کام دے گی۔ (بخاری شریف)

آپ نے اپنے اصحاب کو مخاطب کرکے فرمایا۔ "جیسا تم آپ کھاؤ پہنو ویسا ہی اپنی بیویوں کو بھی کھلاؤ پہناؤ اور خبردار، بہت مار دھاڑ مت کرو اور انکو ذلیل اور حقیر مت سمجھو اور ایک روایت میں ہے پورا مؤمن وہ ہے جو اچھے خلق والا ہو اور اپنی بیوی کے ساتھ اچھی طرح گزران کرنے والا ہو۔ (مشکوٰۃ)

عورت کی عزت اور اختیارات کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بے حد وسیع کردیا ہے۔ چنانچہ آپ کا ارشاد ہے:۔

اَلْمَرْأَۃُ رَاعِیَۃٌ عَلٰی بَیْتِ زَوْجِھَا وَ وَلَدِہٖ (بخاری شریف) — عورت اپنے شوہر کے گھر پر اور اولاد پر حکمران ہے۔

حضرت نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی نگاہِ مبارک میں عورت نفاست ونزاکت اور ضعفِ خلقت کی وجہ سے ایسے سلوک واحسان کی مستحق ہے کہ وہ ہمیشہ آرام وآسائش میں رہے۔ عورتوں کے حقوق کی رعایت کے مدعی ایسا نمونہ نہیں دکھا سکتے جیسا کہ آپ نے دکھلایا۔ (ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین)

ایک دفعہ ایک سفر میں اونٹوں کے کجاووں میں عورتیں سوار تھیں۔ ساربان جو اونٹوں کی مہار پکڑے جارہا تھا۔ حدی خوانی کرنے لگا۔ حضور

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دیکھ کانچ کے شیشوں کو توڑ پھوڑ نہ دینا" (مسلم شریف)

آپ نے فرمایا کہ "مجھے دنیا کی چیزوں میں سے تین چیزیں بہت مرغوب ہیں۔ خوشبو، عورت اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز (مشکوٰۃ شریف) یہ فرمانا آپ کا عورت کی عزت عظمت کا دل میں بٹھانا تھا"

آپ کو اپنے اخلاق کریمہ اور سیرت فاضلہ پر اس قدر اطمینان اور بھروسہ تھا کہ آپ نے اپنی ازواج مطہرات کو حکم دے رکھا تھا کہ جو کچھ وہ آپ کے متعدد نکاح کرنے کی ایک بھاری وجہ یہی تھی کہ آپ کی اندرونی معاشرت اور خانہ داری سے دنیا واقف ہو جائے۔ اور ازدواجی زندگی کے مختلف پہلو دنیا کے سامنے آجائیں۔

باوجودیکہ بہت سی بیویاں آپ کے نکاح میں موجود تھیں مگر آپ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو بہت یاد فرمایا کرتے تھے۔ سرد آہ بھرتے اور فرماتے " آہ وہ خدیجہ!! حضرت صدیقہ دریافت فرماتیں" کہ کیا خدیجہ بوڑھی نہیں تھیں"۔ آپ جواب میں فرماتے کہ "مجھے خدیجہ اس لئے یاد آتی ہیں کہ وہ سب سے پہلے مجھ پر ایمان لائی تھیں"۔ حضرت خدیجہ سے جب حضور نے شادی کی تھی تو انکی عمر چالیس برس کی تھی۔ اور آپ کی عمر پچیس سال تھی۔ اس شادی سے آپ کا مقصود ایک تو عقد بیوگان کی ضرورت پر نمونہ دکھلانا اور عقد ثانی نہ کرنے کی مذموم رسم کو دور کرنا تھا اور بعض دیگر باتوں میں سے ایک بات یہ بھی مقصود تھی کہ ہم متاہل زندگی میں بھی نفسانی خواہشات کے تقید سے آزاد رہ سکتے ہیں۔

بعض نادان انسانوں نے اس مسئلہ میں غلطی کھا کر یہ سمجھا ہے کہ آپ کو

اپنی بیویوں سے محبت نفسانی خواہش اور رغبت کے لئے تھی ایسے لوگوں کو یاد رکھنا چاہئے کہ اگرچہ دنیا اسی لئے کمائی جاتی ہے کہ اس سے انسان اپنے آپ کو اور اپنے متعلقین کو آسائش میں رکھے اور عیش و عشرت میں بسر کرے۔ اچھا کھائے، اچھا پہنے۔ آرام سے سوتے۔ مگر تاریخ شاہد ہے کہ آپ نے کبھی لگاتار تین دن بھی روٹی نہیں کھائی۔ آپ نے کبھی شکم سیر ہو کر نہیں کھایا۔ بوریے پر آپ سوتے تھے جس سے بدن پر نشان پڑ جاتے تھے۔ اگر آپ اپنے ادعائے نبوت میں ذرا ڈھیل دیدیتے تو عرب اپنی رضامندی سے آپ کو بادشاہ بنا لینے کو تیار تھے۔ اور اس زمانے کی رسم کے مطابق سینکڑوں عورتیں حسین سے حسین عیش و عشرت کے لئے مہیا ہو جاتیں۔ مگر آپ نے تمام عمر بجائے عافیت و آرام کے مصیبتیں اٹھائیں تکلیفیں سہیں اور سوائے حضرت صدیقہؓ کے باقی سب عورتیں بوڑھی اور جو کئی کئی نکاحوں میں آچکی تھیں۔ انکو اپنے نکاح میں لانا پسند کیا۔ کاش کوئی اس راز کو سمجھنے کی کوشش کرے تاکہ اس کو ہدایت کی صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا ہو۔

کارِ پاکاں بر بداں کردن قیاس ؎ کارِ ناپاکاں بود اے بدحواس۔

اُن دنوں میں جب کہ آپ کے تمام رفقاء مالا مال ہو رہے ہیں۔ تمام انصار اور مہاجرین کے گھروں میں مالِ غنیمت کے انبار لگے ہوتے ہیں۔ کسی چیز کی حاجت کسی کو باقی نہیں۔ اس فراخی اور کشادگی کے عالم میں ایک صحابی نے حضرت عائشہؓ سے سوال کیا کہ آپ کے گھر میں کس قدر آسائش اور راحت کے سامان موجود ہیں تو صدیقہؓ نے جواب میں فرمایا کہ خیر سے

فصل پر کچھ جو آجاتے ہیں جن کو آنحضرت صلعم اپنے مختلف گھروں میں تقسیم فرمادیا کرتے ہیں ان جوؤں کو ہم خود کوٹ کر اور پیسکر آٹا بنا لیتے ہیں اور منہ کی پھونک سے ارد گرد جو پر سے بھوسی کو دور کر لیا جاتا ہے کبھی کھجوریں۔ سرکہ یا شہد میسر آگیا تو وہ سالن کا کام دے جاتا ہے۔ بس نانِ جویں پر گزارہ ہو جاتا ہے

یہ ہے نقشہ اس خدا کے پیارے محبوب کے گھروں کا جس سے کسی عقلمند کے لئے اس نتیجہ پر پہنچنا کیا مشکل ہے کہ آپ کو اپنی بیویوں سے محبت کسی خواہش نفسانی کی بنا پر مبنی نہیں تھی۔ اس مسئلہ کو اور بھی واضح کرنے کے لئے حضور کی زندگی کے اس مشہور واقعہ کا بیان کر دینا اور بھی زیادہ مفید اور نافع ہوگا کہ ایک دفعہ حضور کی بیویوں نے اپنے مقدس شوہر کی اس داد و دہش کا حال سن کر جو آپ اپنے اصحاب اور عام فقراء و مساکین کے ساتھ روا رکھتے تھے عرض کیا کہ حضورؐ کچھ ہمیں بھی ملنا چاہئے۔ بیوی سے بڑھ کر کون حق دار ہے۔ مگر آپ انکے جواب میں فرماتے ہیں ؎

إِن كُنتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا فَتَعَالَيْنَ أُمَتِّعْكُنَّ وَأُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيلًا (پ ۲۱ س احزاب)

(اے بیبیو) اگر تم دنیا کی زندگی اور اسکے ساز و سامان کی طلب گار ہو تو آؤ میں تمہیں کچھ دے دلا کر خوش اسلوبی سے رخصت کر دوں۔

حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی فرماتی ہیں کہ اس حکم کو سن کر میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ میں تو اللہ و رسول اور آخرت کو پسند کرتی ہوں اور بیبیوں نے بھی ایسا ہی کہا (بخاری کتب تفسیر)

اب بھی اگر کسی نادان شخص کو اسیر ایمان نہ ہو کہ آپ کا محبت کرنا اپنی

بیویوں سے محض خالصاً لوجہ اللہ تھا اور آپ کے حسن اخلاق کا نتیجہ تھا تو سوائے اس کے کہ انکے لئے دعائے ہدایت کی جائے اور کیا ہو سکتا ہے مسلمان اگر اس اسوۂ حسنہ پر عمل پیرا ہوتے تو آج انکے گھر جنت کا نمونہ بن جاتے اور دنیا کی قومیں انکو دیکھ کر اتنا کچھ شور اور داد بلا تعداد ازدواج کے متعلق نہ مچاتیں۔ جیسا کہ مچایا جاتا ہے۔ پس ایسے مسلمانوں کو شرم کرنی چاہیئے جو اس مسئلہ پر کئی طرح کی بے جا تاویلات کرتے ہیں، یا اپنی بیویوں سے حسن سلوک اور عدل و انصاف سے کام نہیں لیتے۔

آپؐ کی گزران اور اسباب معیشت

یہ بالکل سچ اور بجا ہے (جیسا کہ میں پہلے بھی بیان کر چکا ہوں) کہ نبوت کے دعوے کی دلیل نبی کی زندگی کے سوا اور کوئی چیز نہیں ہے۔ دلیل کے لئے ضروری ہے کہ اس کا نتیجہ براہِ راست مخاطب کو تسلیم دعویٰ پر مجبور کرے۔ ایک شخص دنیا میں ظاہر ہو کر دعویٰ کرتا ہے ۔۔ ہدایت و ارشاد کی دعوت خدا کی جانب سے لیکر آیا ہے اور باوجودے کہ وہ اسی قوم اور سوسائٹی کا ایک فرد ہے تاہم اس کے اندر ایک قوت ہے جس کے ذریعہ وہ انسانوں کے اعمال و معتقدات کی صف الٹ دیتا ہے اور ایک بہت بڑی پاک تبدیلی پیدا کر دیتا ہے۔ پس ضروری ہے کہ وہ اس تبدیلی کا اولین نمونہ خود اپنی زندگی کو ثابت کرے اور جن نفس کے تسلط سے آزاد کرانے کے لئے وہ آیا ہے اس سے وہ خود بھی آزاد رہے۔ وہ اخلاق جن کے قہار و جبار لشکر کو شکست

دینے کا وہ مدعی ہے اس کو خود بھی شکست دے چکا ہو۔ اس نے اپنے اخلاق وخصائل میں صفاتِ الہیہ کا ایک مظہر قدسی پیدا کر لیا ہو۔ اور وہ باوجود پورے انسان ہونے کے پھر بھی اپنے اعمال کے اندر عام مطلع انسانیت سے بالاتر ایک جلوہ حق رکھتا ہو۔ مختصر یہ کہ وہ قوائے فطریہ انسانیہ کے جس صحت استعمال کا مدعی ہے خود اسی زندگی بھی اس کی شہادت دیتی ہو۔

کون ایسا انسان ہے جس کے ہاتھ میں دولت ہو اور تمام ضروریات دنیوی کو حاصل کر سکنے کی اسمیں قوت وطاقت ہو اور پھر وہ اپنے عیش و آرام، آرائش وآسائش کی فکر نہ کرتا ہو اور اپنے ہم جنسوں میں فوقیت برتری کا خواہاں نہ ہو۔ اس کے برخلاف ایک ایسا شخص کہ جس کے پاس ایسی قوت ہی سرے سے نہ ہو تو وہ اگر ان باتوں سے کنارہ کش رہے تو کونسی بڑی بات ہے ؎

گدا اگر تواضع کند خوئے اوست

حضرت رسولِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم اگرچہ شہنشاہ مانے جاتے تھے آپ کی عزت وعظمت آپ کے پیروؤں کی نگاہ میں اس حد تک پہنچ چکی تھی کہ اس سے زیادہ ممکن نہیں ہے۔ دنیا کے سلاطین آپ کے جلال ورعب سے کانپتے تھے۔ قیصر کفش برداری کا متمنی تھا۔ نجاشی غسالہ پا پینے آرزو رکھتا تھا۔ مقوقش نام سے لرزہ براندام تھا۔ کسریٰ رعب سے مبہوت تھا۔ ایام فتح مکہ میں خود ابو سفیان کو یہ اعتراف تھا کہ اپنی رعایا میں کسریٰ وقیصر تک کو یہ شاہانہ جلال نصیب نہیں ہے۔

علاوہ اس کے مالِ غنیمت میں ہزار ہا قسم کے سامانِ راحت و آسائش تقسیم کر رہے ہیں اور ساتھی بھی اس قسم کے ہیں کہ اگر نبی کریم کل کا کل مال اپنے یا اپنے متعلقین کے مصرف میں لے آتیں تو انہیں اعتراض کیا بلکہ عین راحت ہو۔

ان تمام حالات کے باوجود اس شاہانہ جلال کے باوجود اس عزت و عظمت کے باوجود اس قدر سامانِ راحت میسر آنے کے آپ بالکل فقیر تھے۔ دُرویش تھے اور غریب انسان کی طرح گزر کرتے تھے۔ ؎

شہنشاہوں میں شہنشاہ مسکینوں میں مسکین ہے　　تعالیٰ اللہ زہے شانِ جلالی اور جمالی ہے
فلک دیکھے بہت تو نے جہاں کے رنگ پر دیکھا　　نہ ایسا گھر فقیرانہ نہ دربار ایسا شاہانہ

(۱) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ نہیں پیٹ بھرا آلِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کی روٹی سے پے در پے دو دن۔ یہاں تک کہ آپ نے وفات پائی۔ (بخاری و مسلم)

(۲) حضرت سوید بن نعمان کہتے ہیں کہ خیبر کے زمانہ میں مقامِ صہبا میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سوائے ستو کے کچھ نہ تھا۔ چنانچہ ہم نے انکو گھولا اور ہم سب نے مع حضور کے پیا۔ (بخاری شریف)

(۳) حضرت عائشہ رضؓ فرماتی ہیں کہ حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا بچھونا جس پر آپ استراحت فرماتے تھے چمڑے کا تھا اور اس کے اندر (روئی کی جگہ) کھجور کے پتے بھرے ہوتے تھے (بخاری و مسلم)

اور شمائلِ ترمذی میں آیا ہے۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بچھونا ٹاٹ کا تھا۔"

(۴) حضرت عائشہ صدیقہ رض فرماتی ہیں کہ "ایک دن ایک انصار کی بیوی میرے پاس آئی اس نے ہمارے گھر میں ایک دوہری چادر حضور کے بستر کی دیکھی تو اس کو افسوس ہوا یہاں سے اٹھ کر سیدھی اپنے گھر پہنچی اور وہاں سے ایک عمدہ بستر حضور کے لئے بھیجا جس میں اون بھری ہوئی تھی۔ میں نے اس بستر کو لے کر خوشی سے اپنے گھر میں رکھ لیا۔ جب آپ گھر میں تشریف لائے تو آپ نے دریافت فرمایا کہ" عائشہ آج یہ نئی چیز تمہارے ہاں کیا رکھی ہے! میں نے عرض کیا حضور۔ فلاں انصاریہ نے آپ کے لئے بستر بھیجا ہے. آپ نے حکم دیا کہ اسی وقت اس بستر کو واپس کردو۔ یہ ہم بندوں کا کام نہیں ہے. قسم خدا کی اگر میں چاہتا تو میرے ساتھ سونے چاندی کے پہاڑ چلتے (شمس التواریخ)

(۵) حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا کہ آپ کے ہاں حضور کیسے بچھونے پر استراحت فرمایا کرتے تھے. جناب ام المؤمنین نے جواب دیا کہ" ایک ٹاٹ تھا جسے ہم دوہرا کر کے بچھا لیا کرتے تھے۔ ایک دن میں نے اس کی چار تہیں کر کے حضور کے نیچے بچھا دیا تاکہ نرم رہے. صبح اٹھ کر آپ نے مجھ سے پوچھا کہ" رات کو تم نے میرے نیچے کیا بچھا دیا تھا" میں نے کہا جی وہی ٹاٹ ہے جو روز بچھا کرتا تھا۔ البتہ کل شب کو میں نے چار تہ کر دی تھیں تاکہ ملائم ہو جائے" ارشاد ہوا کہ" اسے ویسا ہی کردو جیسا تھا۔ کیونکہ اس کی نرمی نے رات کو میری نماز میں ڈھیل ڈال دی۔ (شمس التواریخ)

(۶) سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی جو عبا تھی وہی آپ جہاں تشریف لے جاتے تھے دوہری کر کے اپنے نیچے بچھا لیتے تھے۔ آپ اکثر چٹائی پر ہی

سور ہتے تھے اور اس کے سوائے حضور کے نیچے کچھ نہ ہوتا تھا. عبداللہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ بعض دفعہ اس بوریے کے نشان آپ کی پسلیوں پر دیکھ دیکھ کے مجھے رونا آجاتا تھا. (شمس التواریخ)

(۷) حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ جس وقت حضور نے انتقال فرمایا میرے پاس تھوڑا سا جَو کا آٹا اور نصف وسق جو تھے اس کے سوا کوئی شے کھانے کی یا روپیہ پیسہ ہمارے پاس نہ تھا." (شمس التواریخ)

(۸) آپ فرماتی ہیں کہ "کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ مہینہ مہینہ بھر ہمارے گھر میں آگ نہیں جلتی تھی. کیونکہ ہمارے پاس کوئی پکانے کی چیز نہیں ہوتی تھی صرف کھجوروں اور پانی سے گزر اوقات ہوتی تھی (بخاری و مسلم)

(۹) ابی بردہؓ فرماتے ہیں کہ "جب نبی کریم صلعم کا انتقال ہو گیا تو حضرت عائشہ صدیقہؓ نے ایک چادر پیوند لگی ہوئی اور ایک تہ بند موٹا نکالا اور فرمایا کہ انہی دو کپڑوں میں (جو ہمارے گھر میں تھے) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روح قبض کی گئی (بخاری شریف)

(۱۰) حضرت عائشہ صدیقہؓ نے اس نازک وقت میں جب کہ آپ نزع کی حالت میں تھے ایک پڑوسن سے مانگ کر چراغ کے لئے تیل منگوایا تھا (بخاری شریف)

یہ ہے نقشہ اس شہنشاہ کے گھر کا — اللہم صل وسلم وبارک علیہ ؎
مالک کونین ہیں گو پاس کچھ رکھتے نہیں — دوجہاں کی نعمتیں ہیں انکے خالی ہاتھ میں

حضورِ انور لباس میں بالکل تکلف نہیں کرتے تھے کبھی کبھی آپ نے

محض جواز کے لئے نفیس اور قیمتی کپڑا بھی پہنا ہے۔ لیکن فی الفور کسی کو بخش دیا اسی لئے نفیس کپڑے کی عادت اور قیمتی کپڑے کی قید خلاف سنت ہے۔ اگرچہ قیمتی کپڑا پہننا ناجائز نہیں ہے۔ لیکن میانہ روی ہر جگہ محمود ہے۔ لباس ستھرا اور پاکیزہ پہننا آپ کے نزدیک ناپسند نہیں تھا۔ بلکہ عبد اللہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بہشت میں ایسا شخص ہرگز داخل نہیں ہوگا۔ جس کے دل میں ایک ذرہ کے برابر بھی غرور اور گھمنڈ ہوگا۔ ایک شخص نے عرض کی کہ "یا رسول اللہ ہر ایک آدمی اچھے کپڑے اور اچھے جوتے کو پسند کرتا ہے (تو پھر کیا حال ہوگا۔ آپ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ اِنَّ اللّٰہَ جَمِیْلٌ وَّ یُحِبُّ الْجَمَالَ اَلْکِبْرُ بَطَرُ الْحَقِّ وَ غَمْطُ النَّاسِ (مسلم شریف) یعنی تحقیق خدا جمیل ہے۔ جمال اور ستھرائی کو دوست رکھتا ہے۔ (مطلب یہ کہ اچھی پوشاک خدا کو پسند ہے) غرور نہیں بلکہ گھمنڈ اور غرور حق کو باطل کرنا۔ واجبی بات کا انکار کرنا اور لوگوں کو ذلیل اور حقیر جاننے کا نام ہے۔

(۱۱) آپ کی گزران ایک معمولی غریب سے غریب انسان کی جیسی ہوتی ہے ویسی ہی تھی۔ آپ مجلس میں جہاں کہیں جگہ ملتی وہیں بیٹھ جایا کرتے تھے اپنے جوتے کو خود گانٹھ لیتے تھے۔ اپنا کپڑا خود دھو لیتے تھے۔ اپنے کپڑے میں خود پیوند لگا لیتے تھے۔ بکری کا [redacted] دوہ لیتے تھے۔ اونٹ کو خود ہی باندھ دیتے تھے اور مویشی کو بھی چارہ ڈال دیتے تھے۔

الحاصل آپ کی سادگی اور بے نفسی، غریبانہ گزر اوقات۔ درویشانہ

بود و باش سے کون ایسا سنگدل انسان ہے جو اس نتیجہ پر نہ پہنچے کہ آپ دنیا کی طمع اور لالچ۔ جاہ و منصب کے خواہاں نہ تھے بلکہ آپ سچے عاشق اور سچے طالب اپنے مولے کے تھے جنہوں نے خدائے تعالیٰ کی محبت میں سب کچھ کھو کر اس بات کو ثابت کر دکھایا کہ ؎

خود کو آشنا کر تو نہ رہے تجھ میں تیری خودی کی بو نہ رہے

عدل و انصاف

عدل اس پاکیزہ وصف کو کہتے ہیں جس کے اقتضاء سے مجرم اور نیکوکار کو اس کے عمل کا ٹھیک معاوضہ دیا جاتا ہے اور عفو کا وصف گنہگار کے جرم سے درگزر کا محرک ہوتا ہے۔ اگر عدل نظامِ عالم کی جان ہے تو عفو دُنیا کے لئے جاں بخش ہے کیا اچھا کہا گیا ہے

ع "در عفو لذتیست کہ در انتقام نیست"

عادل اور انصاف پرور حکومتیں اگرچہ عام طور پر عفو اور درگزر نہیں کرسکتیں پھر بھی خاص خاص اوقات اور مواقع پر وہ اس وصف کی مظہر ضرور بن جاتی ہیں اور انہیں بننا بھی چاہئے کیونکہ محض سزا اور جزا ہی انسانی فطرت کے مناسب نہیں بلکہ وہ مراعات اور رحم کی بھی خواہاں ہوتی ہیں۔ جس کے نہ ملنے سے نظامِ فطرت درہم برہم ہوجاتا ہے ہمارے پیارے نبی حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم میں خاص عفو و رحم جس درجہ کا تھا۔ اس سے قارئین کرام واقف ہوچکے ہیں اور وہ پہلے پڑھ چکے

ہیں کہ آپ اپنے نفس کے لئے کسی سے انتقام نہیں لیتے تھے اور نہ کسی پر غصہ اور ناراض ہوتے تھے۔ حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور کو اگر غصہ آتا تھا یا کسی جرم کی سزا آپ دیتے تھے تو صرف اس صورت میں کہ جب کسی سے خدا کی نافرمانی ہوتی تھی اور یہ آپ کا انتقام لینا محض خدائے تعالیٰ کے لئے ہوتا تھا۔ (مسلم شریف)

اور بخاری شریف میں حضرت صدیقہؓ سے یہ بھی مروی ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات کے لئے (کبھی) انتقام نہیں لیا۔ (ہمیشہ عفو ورحم سے معاف کردیا) لیکن اگر خدا کی حرمت کے خلاف کیا جاتا تھا تو آپ اللہ تعالیٰ کے لئے اس کا انتقام لیتے تھے۔

دنیا میں دو چیزیں ہیں۔ اخلاق اور قانون۔ اخلاق کا تعلق انسان کی ذات سے ہے اور قانون کا تعلق حکومت اور اجتماع انسانی سے ہے۔ عفو ودر گزر اور صلح ومغفرت انسان کا بہترین وصف ہے لیکن اگر اس کی ذات سے تجاوز کرکے وہ حکومت اور جمیعت انسانی تک پہنچ گیا تو وہ قانون کی سرحد میں آگیا جہاں چشم پوشی جرم عظیم اور عفو گناہ کبیرہ ہے جو کہ جرائم کے لئے ہمت افزا ہوتا ہے اور دشمن امن انسانی ہے۔ قانون پر چلنے کا نام انصاف ہے اور اس سے چشم پوشی کرنے یا اس کی خلاف ورزی کا نام بے انصافی ہے بے انصافی ایک ایسا ناقابلِ معافی جرم ہے جس سے بندگانِ خدا کے حقوق کی سخت پامالی ہوتی ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ نے ایک شخص کو یہ کہتے سنا کہ ظالم آدمی اپنا ہی کچھ

بگاڑتا ہے کسی دوسرے کا کیا بگاڑتا ہے۔ تو ابوہریرہ نے فرمایا کہ "دوسروں کا کیوں نہیں بگاڑتا۔ قسم ہے اللہ تعالیٰ کی کہ چڑیا بھی اپنے گھونسلے میں ظالم کی نحوست کے سبب سوکھ کر مر جاتی ہے۔ (مشکوٰۃ)

(۱) حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم باوجودیکہ رحیم تھے۔ کریم تھے۔ عفو و درگزر کرنا آپ کا کام تھا مگر عدل و انصاف میں آپ کسی کی رُو رعایت نہیں فرمایا کرتے تھے اور اس خاص وصف میں آپ قبل از منصبِ نبوّت تمام قریش میں ضرب المثل تھے۔ آپ کے عدل و انصاف پر تمام قریش کو پورا پورا بھروسہ تھا۔ اور یہی وجہ تھی کہ آپ کو قبل از نبوت بھی اکثر معاملات میں حکم بنایا کرتے تھے۔

آپ کی زندگی کے واقعات میں یہ واقعہ بہت مشہور ہے کہ جب عمر شریف آپ کی ۳۵ سال کے قریب تھی تو اس وقت کعبہ شریف کی قریش نے از سرِ نو تعمیر شروع کی۔ اس مذہبی کام میں سب قبیلوں نے شرکت کی اور کام ختم ہو گیا۔ جب حجر اسود لگانے کا وقت آیا تو ہر قبیلہ نے چاہا کہ ہم حجر اسود اٹھائیں اور اسکی جگہ لگائیں اس کے رکھنے واسطے مباحثہ ہونے لگا۔ ہر شخص یہی کہتا تھا کہ مجھے یہ فخر حاصل ہو اور میرے ہی محلہ کی طرف اس کا رُخ رہے حتیٰ کے یہ جھگڑا طوالت پکڑ گیا۔ اور ہر ایک آدمی کشت و خون پہ آمادہ ہو گیا۔ آخر یہ قرار پایا کہ کل جو شخص مسجدِ حرام میں سب سے پہلے آئے وہ اس کے بارے میں جو کچھ فیصلہ دے اسکی رائے پر عمل کیا جائے۔ دوسرے دن فجر کو سب سے پہلے آپ ہی تشریف لائے۔ اور یہ مقدمہ آپکے سامنے پیش

آپ کھڑے ہو گئے اور اپنی چادر بچھا کر حجر اسود اس پر رکھا اور فرمایا کہ ہر قبیلے کے سردار آئیں اور چادر کے گوشے پکڑ کر اٹھائیں جب حجر اسود اپنے موقع پر آیا آپ نے دستِ مبارک سے اس کو نصب کر دیا۔ اس طرح یہ جھگڑا طے ہو گیا۔ قریش آپ کے اس انصاف سے نہایت مسرور ہوتے اور جنگ وجدل کے خیالات ان کے دلوں سے دور ہو گئے۔ ہر ایک سردار راضی ہو گیا اور خوش خوش گھر آیا۔ اگر آپ ایسا نہ کرتے تو حرم کی زمین ہزاروں آدمیوں کے خون سے لال ہو جاتی (یہ واقعہ اکثر کتب حدیث وسیر میں بہ تفصیل درج ہے)

(۲) حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ مکہ معظمہ میں ایک عورت جس کا نام فاطمہ تھا اس نے چوری کی۔ معاملہ سرکارِ رسالت میں پہنچا۔ گو لوگوں کو یہ خیال تھا کہ آپ خدائے تعالیٰ کے احکام میں کسی کی رعایت نہیں کرتے ضرور فاطمہ کو سزا دینگے۔ مگر تاہم انہوں نے اسامہؓ سے جو سرکار کو بہت پیارے تھے سفارش کرائی۔ اسی سفارش کے جواب میں حضور نے فرمایا "اسامہ! کیا تم حدودِ الٰہی میں سفارش کرتے ہو۔ اگر فاطمہ بنت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی ایسا کرتی تو میں حد جاری کرتا (صحیح بخاری کتاب الحدود)

سواد بن عمر کہتے ہیں کہ وہ ایک دن سرکارِ رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ السلام کے سامنے درس کا رنگین کپڑا پہن کر گئے۔ سرکار نے خط خط فرمایا اور چھڑی سے انکے شکم میں چونکا بھی دیا۔ میں نے عرض کیا "یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میں تو قصاص لوں گا" سرکار نے جھٹ اپنا شکم مبارک برہنہ کر کے میرے سامنے کر دیا (شفاء عیاض) اللہ اللہ کس قدر آپ کو عدل و انصاف

مدِ نظر تھا۔ اپنے نفس کی بھی پرواہ نہیں کرتے تھے اور کسی حالت کسی کا حق غضب کرنا گوارہ نہیں فرماتے تھے۔

(۳) ایک دن ایک یہودی جس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ قرض لیا تھا تقاضے کو آیا اور سختی سے مطالبہ کرنے لگا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اسے سختی سے جھڑک دیا۔ سرکار ہنس پڑے۔ اور فرمایا عمر تمہیں لازم تھا کہ میرے ساتھ اور اس کے ساتھ اور طرح برتاؤ کرتے۔ مجھے حُسنِ ادائیگی کے لئے کہتے اور اسے حُسن تقاضا سکھلاتے۔" پھر حضور نے زید کی جانب مخاطب ہو کر فرمایا" ابھی تو تین دن باقی ہیں" پھر حضرت فاروق رضی اللہ عنہ سے فرمایا۔ اس کا قرض ادا کردو۔ ۲۰ صاع زیادہ بھی دینا کیونکہ تم نے اسے بلا وجہ دھمکایا اور ڈرایا بھی ہے (شفا عیاض)

(۴) ایک دن آپ اپنی بیوی کے گھر میں تشریف فرما تھے۔ کہ آپ کی کسی دوسری بیوی نے ایک رکابی میں کھانا بھیجا۔ جس بیوی کے گھر میں آپ تشریف فرما تھے اس نے غلام کے ہاتھ جب اسکو واپس بھیجنا چاہا تو وہ رکابی گر گئی۔ اور ٹکڑے ٹکڑے ہوگئی۔ حضور نے اس کے ٹکڑے جمع کئے اور خادم کے ہاتھ اس بیوی سے (جس کے مکان میں آپ تھے) دوسری نئی رکابی منگا کر اس بیوی کے ہاں (جس کی رکابی ٹوٹی تھی) بھجوادی۔ اور وہ ٹوٹی ہوئی رکابی اس بیوی کے گھر میں رکھدی جس نے توڑی تھی۔ (بخاری شریف)

(۵) مدینۂ طیبہ میں ایک دن ایک مسلمان اور ایک یہودی میں جھگڑا ہوا چونکہ آپ کی دیانت و امانت اور عدل و انصاف کو دشمن بھی تسلیم کرتے تھے اور یہودی برسرِ حق تھا۔ اس لئے اس نے مسلمان سے کہا کہ چلو تمہارے

ہی پیغمبر صاحب جو فیصلہ کردیں — مجھ کو منظور ہے۔ آخرکار یہودی اس کو کشاں کشاں دربار رسالت میں لے آیا۔ آپ نے مسلمان کا کوئی پاس نہ کیا اور فوراً یہودی کے حق میں فیصلہ دیدیا (موضح القرآن)

(۶) عدل وانصاف کے بارے میں آپ کا یہ حال تھا کہ عزیز سے عزیز اور قریب سے قریب تعلق والا آدمی بھی اگر کوئی ہوتا تو ممکن نہیں کہ آپ اسکی کسی طرح رو رعایت کریں۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کے چچازاد بھائی ہونے کے علاوہ آپ کے داماد بھی تھے اور منظور نظر بھی ایسے تھے کہ آپ ہر ایک معاملہ میں انکی خاطر عزیز رکھتے تھے مگر عدلُ انصاف کے بارے میں ان کے ساتھ بھی یہ حال تھا کہ فتح مکہ کے دن آپ نے عثمان بن طلحہ کو بلا کر بیت اللہ کا دروازہ کھلوایا۔ کیونکہ وہ اس وقت کعبہ کے کنجی بردار تھے۔ داخلہ کے بعد حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ کی یہ خواہش ہوئی بیت اللہ کی کنجی انکو مل جائے۔ چنانچہ انہوں نے دربار نبوی میں درخواست کی کہ کعبہ کی کنجی ہمارے حوالے کی جائے اور ہم کو کعبہ کا کنجی بردار بنایا جائے درخواست کرنے والے ایک تو آپ کے چچا تھے اور دوسرے داماد جن سے بڑھ کر کوئی دوسرا قریبی رشتہ دار اور نہیں ہو سکتا مگر آپ نے فرمایا کہ "جس کا حق ہے اسی کے پاس رہے گا۔" اور کنجی اس کے حوالے کی — (لباب النقول) اور کنجی دیتے وقت آپ نے یہ بھی فرمایا کہ "ہمیشہ کنجی برداری تمہارے پاس رہے گی" (جلالین)۔

چنانچہ یہ خدمت شیبہ ہی کے خاندان میں رہی۔ — — — —

حضرت علیؓ اور عباسؓ کے کلید مانگنے کی یہ وجہ تھی کہ ابتدائے ایام نبوت میں ایک دفعہ حضور صلعم نے اسی عثمان بن ابی طلحہ سے فرمایا تھا کہ بیت اللہ کھول دو اس نے صاف انکار کر دیا تھا۔ تو حضور نے فرمایا تھا۔ اچھا تم دیکھ لینا کہ ایک دن یہ کلید میرے ہاتھ میں ہوگی اور میں جسے چاہوں گا عطا کروں گا۔ عثمان نے جواب دیا تھا کہ "کیا اس روز قریش کے سب مرد ذلیل و تباہ ہو جائیں گے۔ تو رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ "وہ اور بھی زندہ عزت و اقبال سے ہوں گے۔ ان دونوں صاحبوں کے دل میں اس بات کا خیال تھا مگر حضور نے ان کی درخواست کے جواب میں فرمایا۔ "الیوم یوم البرو الوفا" "(آج کا دن سلوک کرنے اور عطیات پورے کر دینے کا ہے) پھر عثمان کو بلایا اور فرمایا کہ "جو کوئی تم سے یہ کلید چھینے گا۔ وہ ظالم ہوگا۔ ۱۲ منہ

(۷) آپ کے زمانہ باسعادت میں ایک انصاری کی زرہ آٹے میں رکھی ہوئی چوری ہوگئی اور آٹے کا کھوج پہلے ایک مسلمان طعمہ بن ابیرق اور پھر ایک یہودی کے گھر تک لگا۔ اور زرہ یہودی کے گھر سے برآمد ہوئی یہودی نے کہا کہ طعمہ رکھ گیا ہے طعمہ سے جب پوچھا گیا تو اس نے کہا کہ میں بری ہوں چور وہی ہے۔ طعمہ کی قوم نے رات کو مشاورت کی کہ ہم سب مل کر دربارِ رسالت میں چلیں اور اس کی صفائی کی شہادت دے آئیں تاکہ طعمہ بری ہو جائے۔ اور جب ہم سب مل کر آپ کے پاس چلیں گے تو آپ ہماری ضرور حمایت کریں گے اور یہودی کو چور ٹھہرائیں گے۔ صبح کو

وہ تمام مل کر آپ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوتے۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے آپ کو بذریعہ وحی طعمہ کے چور ہونے کی اطلاع دیدی تھی۔ آپ نے اسے صاف فرمادیا کہ میں انصاف میں کسی کی رورعایت نہیں کرسکتا۔ فی الحقیقت چور طعمہ ہی ہے (لباب النقول)

(۸) انصاف کے معاملہ میں آپ شریف اور ذلیل کی تمیز نہیں فرمایا کرتے تھے بلکہ سب کے ساتھ مساوی عدل و انصاف برتا کرتے تھے۔ مدینہ منورہ میں یہودی کے دو گروہ تھے۔ ایک زبردست دوسرا گروہ ضعیف زمانہ جاہلیت میں انہوں نے یہ قاعدہ مقرر کر رکھا تھا کہ شریف گروہ والا اگر رذیل گروہ والے کو قتل کر دے۔ تو پچاس وسق غلہ اس کے عوض میں ادا کرے۔ جب آپ کا زمانہ آیا اور آپ مدینہ طیبہ میں تشریف لائے تو اتفاق سے ایک شریف کو ایک رذیل نے مار ڈالا۔ شریف کے وارثوں نے ایک سو وسق مانگے رذیل نے کہا کہ یہ قاعدہ تو زبردستی کا تھا۔ ہم نے ڈر کے مارے قبول کر رکھا تھا۔ اب وہ زمانہ نہیں رہا۔ اب ہم برابر دیں گے۔ زیادہ کسی صورت میں نہیں دیں گے۔ اس پر اجھگڑا ہوا۔ آخر یہ مقدمہ سرکارِ نبوت میں تصفیہ کے لئے پیش ہونا تجویز ہوا۔ چونکہ زبردست گروہ والے یہودیوں نے اپنے دل میں یہ صلاح ٹھرالی تھی کہ اگر آپ ہماری مرضی کے مطابق فیصلہ دیں گے تو ہم مانیں گے۔ ورنہ نہیں۔ اس لئے انہوں نے بعض منافق لوگوں کو جو در پردہ ان سے ملے ہوئے تھے۔ آپ کی خدمتِ اقدس میں پہلے خفیہ طور پر اس واسطے بھیجا کہ آپ کی رائے معلوم کریں۔ اگر ہمارے موافق

ہوئی تو وہاں یہ مقدمہ لے جائیں۔ ورنہ کچھ اور صورت کریں۔ آپ کو بذریعہ وحی اس منصوبہ کی خبر مل گئی اور آپ نے یہودیوں کو بلا کر فرمایا کہ:۔

ان المقسطین عند اللہ علےٰ منابر من نور عن یمین الرحمٰن وکلتا یدیہ یمین الذین یعدلون فی حکمھم واھلیھم۔ (مشکوٰۃ من المسلم)

انصاف کرنے والے لوگ قیامت کے دن نور کے منبروں پر اللہ سبحانہٗ تعالیٰ کے داہنی طرف بٹھائے جائیں گے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کے دونوں ہاتھ داہنے ہی ہیں مگر انصاف والے وہ ہیں جو اپنے اور پرائے کی رعایت اور جانبداری نہیں کرتے بلکہ عدل وانصاف میں مساوات برتتے ہیں)

(۱۰) آپ کو جس قدر خوشی کسی کے مسلمان ہو جانے سے ہوتی تھی۔ اتنی کسی اور بات سے نہیں ہوتی تھی چونکہ لوگوں کو مسلمان بنانا آپ کا مشن تھا۔ اس لئے مسلمان ہو جانے والے کی ہر ممکن خدمت و رعایت آپ کو منظور خاطر ہوتی تھی مگر عدل وانصاف کے معاملے میں آپ اس امر کی بھی پرواہ نہیں کیا کرتے تھے۔ جس سے آپ کی صداقت اور راستی کا کامل ثبوت ملتا ہے کعب بن اسید اور عبداللہ بن صوریا اور شاس بن قیس وغیرہ سردار اور علمائے یہود نے آپسمیں مشورہ کیا اور یہ لوگ ملکر سرکارِ رسالت میں آئے اور آکر عرض کی کہ آپ جانتے ہیں کہ ہم لوگ یہود کے علماء اور سردار ہیں۔ اگر ہم مسلمان ہو جائیں گے تو تمام یہودی مسلمان ہو جائیں گے۔ سو آپ کی اور ہماری قوم کے کچھ مناقشے ہیں۔ ہم وہ مقدمات آپ کے پاس لائیں گے اگر آپ ہمارے موافق فیصلہ دیں گے تو ہم اسلام قبول کرلیں گے۔ آپ نے

فرمایا "یہ نہیں ہو سکتا کہ میں جادۂ انصاف سے باہر قدم رکھوں اور کسی کی حق تلفی کروں"۔ (الباب النقول)

(۱۱) حضرت نبی کریم سرکارِ مدینہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اسی پاک اسوۂ حسنہ کا نتیجہ تھا کہ آپ کے متبعین میں بھی ▪ خاص وصف اس درجہ کا تھا کہ آج بڑے بڑے مدعیان تہذیب اس کا عشر عشیر بھی دنیا کے سامنے پیش نہیں کر سکتے۔ اسی عدل وانصاف کا نمونہ یہ ہے کہ جبلہ بن ابہم غسانی ایک عیسائی شہزادے نے عہدِ فاروقی میں اسلام قبول کیا تھا۔ طواف کعبہ کے موقعہ پر اس کی چادر کا ایک گوشہ ایک شخص کے پاؤں کے نیچے آگیا جبلہ نے اس کے منہ پر ایک تھپڑ مارا اس نے بھی برابر کا جواب دیا جبلہ غصہ سے بیتاب ہوگیا اور حضرت فاروقِ اعظمؓ کے پاس آکر شکایت کی۔ آپ نے سن کر فرمایا کہ "تم نے جیسا کیا تھا ویسی ہی اس کی سزا بھی پائی" اس نے کہا ہمارے ساتھ کوئی گستاخی کرے تو اسکی سزا قتل ہے" مگر حضرت عمرؓ نے فرمایا "ہاں جاہلیت میں ایسا ہی تھا لیکن اسلام نے شریف وذلیل اور پست وبلند کو ایک کر دیا ہے" جبلہ اس ضد میں پھر عیسائی ہوگیا۔ اور روم بھاگ گیا۔ لیکن خلیفۂ اسلام نے مساواتِ اسلامی کی قانون شکنی گوارا نہ کی۔

یہ ہے حضرت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی فرمانروائی کی اصلی تصویر آپ کے نزدیک ظلم سے بڑھ کر کوئی گناہ اور نہ تھا۔ اور عفو ورحم سے بڑھ کر کوئی بھلائی اور خوبی نہ تھی مگر اپنے اپنے موقعہ اور محل پر۔

الحاصل آپ ہر معاملہ میں عدل وانصاف سے کام لیتے تھے۔ آپ کے نزدیک ناحق کی پیروی کرنے والا اور ظلم کرنے والا بدترین خلائق تھا آپ نے فرمایا کہ:۔

مَنْ مَشٰى مَعَ ظَالِمٍ لِيُقَوِّيَهُ وَهُوَ يَعْلَمُ اَنَّهُ ظَالِمٌ فَقَدْ خَرَجَ مِنَ الْاِسْلَامِ (مشکوٰۃ)

جس شخص نے کسی ظالم کی مدد کی اور اس کو معلوم ہے کہ یہ شخص ناحق پر ہے پس وہ شخص اسلام سے خارج ہو گیا (مطلب یہ کہ ظالم کی مدد کرنا بھی منافی اسلام ہے) نیز آپ نے فرمایا:۔

مَنِ ادَّعٰى مَا لَيْسَ لَهُ فَلَيْسَ مِنَّا وَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ مَنْ اَعَانَ عَلٰى خُصُوْمَةٍ وَهُوَ لَا يَعْلَمُ اَحَقٌّ اَوْ بَاطِلٌ فَهُوَ سَخَطِ اللّٰهِ حَتّٰى يَنْزِعَ۔ (مشکوٰۃ)

جس شخص نے جھوٹا دعویٰ کیا وہ ہمارے دین پر نہیں اور وہ دوزخ میں اپنا گھر سمجھے (یعنی جس نے کسی جھگڑے میں مدد کی اور یہ نہیں جانتا کہ سچ ہے یا جھوٹ ہے تو وہ شخص اللہ تعالیٰ کے غضب میں ہے جبتک اس کام سے الگ نہ ہو جائے

مختصر یہ کہ آپ نے تمام مسائل شریعت کو ایسے اعلیٰ انصاف وعدل پر مبنی ہیں کہ جن کا مقابلہ دنیا کا کوئی قانون اور شریعت نہیں کر سکتی ہر ایک موقع پر ایسے انصاف سے برتا ہے کہ جو آپ کی صداقت کے لئے کافی وافی ہیں۔)

جب سے مسلمانوں نے ان خاص وصفوں کی طرف سے کوتاہی اور لاپرواہی کر لی ہے اسی دن سے ان کا وقار بھی دنیا سے اٹھ گیا ہے۔ مندرجہ بالا

واقعات پر نظر ڈالنے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ حضرت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پاک تعلیم میں حقیقی مساوات کی کیسی اعلیٰ تعلیم ہے اور اس کا جو نمونہ خود سرکار رسالت مآب نے اپنی ذاتِ پاک سے خود عمل کر کے دنیا کے سامنے پیش کیا ہے۔ اس کی نظیر سے تاریخ عالم خاموش ہے۔ یورپ جس کو اپنے تمدن پر بہت بڑا غرور اور گھمنڈ ہے جہاں سے شخصی فرمانروائی کا جنازہ اٹھ چکا ہے۔ جہاں قانون کی عزت سب سے بالاتر سمجھی جاتی ہے۔ جہاں مساوات و آزادی کے غلغلوں سے گوشہ گوشہ گونج رہا ہے۔ ایک نظیر بھی ایسی پیش نہیں کر سکتا جس میں فرمانروائی وقت نے ایسے صاف اور سچے لفظوں میں مساواتِ انسانی کا اعلان کیا ہو۔ اعلان ہی نہیں بلکہ خود اس کا نمونہ بھی پیش کر کے دکھا دیا ہو یہ شرف خاص اس خدا کے پیارے رسولِ اکرم اور اس کامل و اکمل انسان ہی کا حصہ تھا جس نے چھٹی صدی عیسوی کی تاریکی میں حقیقی حریت و مساوات انسانی کا چراغ روشن کیا۔ اور اعلان کر دیا کہ ؎

لَوْ اَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ مُحَمَّدٍ سَرَقَتْ لَقَطَعْتُ يَدَهَا (بخاری)

(خدا کی قسم، اگر محمدؐ کی بیٹی فاطمہؓ بھی چوری کرتی تو اس کے ہاتھ بھی ضرور کاٹے جاتے اللھم صل وسلم بارک علیہ

مسلمانو! تمہارے کرتوتوں سے اسلام بدنام ہو رہا ہے۔ خدارا ہوش میں آؤ اور اپنے برگزیدہ آقا کے اس ارشادِ پاک کو اپنا دستور العمل بناؤ۔

اَقِيْمُوْا حُدُوْدَ اللّٰهِ عَلَى الْقَرِيْبِ ۔ خدا کے مقرر کردہ حدود یعنی قوانین آئین

والبعید ولا تاخذکم لومۃ لائمۃ فی اللہ (ابن ماجہ کتاب الحدود) دور قریب رشتہ دار غیر رشتہ دار سب پر یکساں جاری کرو اور خدا کے معاملہ میں تم ملامت کرنے والوں کی ملامت کی پرواہ نہ کرو۔

جود و سخا

انسانی اوصاف میں سخاوت ایک ایسی صفت ہے جس کی وجہ سے انسان خالق و مخلوق دونوں کے نزدیک مقبول و محبوب ہو جاتا ہے۔ اور دونوں اسے عزیز رکھتے ہیں "اَلسَّخِیُّ حَبِیْبُ اللّٰہِ" یعنی سخی خدا کا دوست ہوتا ہے۔ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام منصب نبوت کے فرائض انجام میں اس درجہ منہمک تھے کہ آپ کو کبھی مال جمع کرنے کی طرف توجہ نہیں ہوئی۔ اور کبھی آپ نے اپنے نفس یا اپنے اہل و عیال کی آسائش کے لئے زائد از ضرورت مال رکھنا پسند نہیں کیا۔ جو کچھ ملتا تھا راہ خدا میں صرف فرما دیتے تھے۔ حتیٰ کہ آپ اکثر ایسی حالت میں سوتے تھے کہ صبح کیلئے کچھ پاس نہ ہوتا تھا۔

آپ جود و سخا کا مجسم نمونہ تھے ایسا نمونہ جس کی نظیر ملنی محال ہے۔ آپ کو غیر مستحق سائلوں کا سوال کرنا برا معلوم ہوتا تھا مگر کبھی کسی سائل کے سوال کو رد نہیں فرماتے تھے۔ اگر کبھی سائل کو دینے کے لئے کچھ پاس نہ ہوتا تو عذر فرما دیتے۔ اس طرح پر گویا گویا کوئی شخص اپنے قصور کی معافی چاہ رہا ہے۔ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ آپ نے کبھی

کسی سائل کے جواب میں لا (یعنی نہیں) نہیں فرمایا (بخاری ومسلم)

حضور نے ایک مرتبہ فرمایا کہ "احد پہاڑ کے برابر میرے پاس سونا ہو تو مجھے یہی اچھا معلوم ہوگا کہ میں رات گزارنے سے قبل سب خرچ کردوں۔ اور اگر کچھ بچاؤں تو اتنا ہی کہ جو ادائے دین کے لئے ضروری ہو۔ اسی لئے تمام صحابہ اقرار کرتے تھے کہ آپ سخاوت میں سب سے بڑھ کر بلند پایہ رکھتے تھے۔ چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ "نبی صلی اللہ علیہ وسلم سب لوگوں سے زیادہ حسین اور سب سے زیادہ بہادر اور سب سے زیادہ سخی تھے (بخاری کتاب الجہاد)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام لوگوں سے زیادہ سخی تھے۔ اور سب دنوں سے زیادہ آپ رمضان شریف میں سخی ہو جاتے تھے۔" (بخاری شریف قصۂ زید)

ایک موقعہ پر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "بخیل اور سخی کو یوں سمجھو کہ دو شخص لوہے کے کرتے پہنے ہوئے ہوں اور ان کے دونوں ہاتھ سینہ اور گردن سے لپٹے ہوئے ہوں۔ سخی صدقہ کرتا ہے تو اس کا کرتا ڈھیلا ہو جاتا ہے۔ اور بخیل جب صدقہ کا ارادہ کرتا ہے تو اس کا کرتا تنگ ہو جاتا ہے۔ اور زنجیر کے حلقے اور بھی جکڑ جاتے ہیں۔ (مشکوٰۃ)

اس حدیث پاک میں آپ نے سمجھایا کہ دولت ایک قسم کا بار ہے سخی کو سخاوت میں اس لئے لطف آتا ہے کہ اس کا بار ہلکا ہوتا جاتا ہے

لیکن بخیل کو خرچ کرنے میں بے انتہا تکلیف ہوتی ہے اور وہ خرچ کرنے کے نام سے ڈرتا ہے۔

ایک مرتبہ بعض انصار نے حضور سے کچھ مانگا۔ آپ نے دیا۔ پھر مانگا پھر دیا یہاں تک کہ جو کچھ آپ کے پاس تھا سب کچھ خرچ ہوگیا۔ تب حضور نے فرمایا "میرے پاس جہاں تک ہوگا میں تم سے دریغ نہیں کروں گا۔ (بخاری شریف)

آپ سے ایک شخص نے سوال کیا۔ آپ نے اسکو اس قدر بکریاں عنایت فرمائیں کہ دو پہاڑوں کے درمیان سماتی ہوئی تھیں۔ (مسلم شریف)

عفران بن امیہ کافر نے جب آپ کی سخاوت دیکھی تو وہ مسلمان ہوگیا۔ اور دل سے اقرار کیا کہ نبی کے سوا اور کسی سے ایسی سخاوت ممکن نہیں۔ (مواہب الدنیہ)

حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک دفعہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نوے ہزار درہم آئے جو ایک بوریئے پر ڈھیر کر دیئے گئے۔ آپ نے ان سب درہموں کو تقسیم کر دیا اور کسی سائل کو رد نہیں کیا۔ اسی شام کو آپ کے گھر فاقہ تھا (بخاری)

جنگ حنین کے سفر سے جب آپ واپس تشریف لائے تو اعراب نے اگر چاروں طرف سے آپ کو گھیر لیا۔ اور سوال کر کے حضور کو یہاں تک تنگ کیا کہ آپ دیتے دیتے ایک درخت سے چمٹ گئے یہاں تک کہ لوگ آپ کی چادر مبارک بھی اچک کر لے گئے آپ نے

فرمایا " لوگو! میری چادر تو دیدو، اگر میرے پاس ان ببولوں کے کانٹوں کی تعداد کے برابر اونٹ ہوتے تب بھی میں سب کے سب تمہیں دیدیتا" حالانکہ اس سے پہلے آپ پانچ لاکھ درہم تقسیم فرما چکے تھے (بخاری)

ایک دفعہ ایک شخص نے سوال کیا۔ حضور نے فرمایا "میرے پاس اس وقت کچھ نہیں ہے تم میرے نام پر قرض لیلو میں ادا کردوں گا۔ حضرت عمر فاروقؓ نے عرض کیا "خداوند کریم نے آپ کو یہ تکلیف نہیں دی کہ اپنی قدرت سے بڑھ کر کام کریں۔ حضور انور خاموش ہو گئے۔ ایک انصاری نے پیچھے سے کہا "یا رسول اللہ! خوب دیجئے۔ رب العزت مالک ہے۔ تنگدستی کا کیا ڈر ہے۔ حضور انور مسکرائے اور چہرہ مبارک بشاش ہو گیا اور فرمایا۔ ہاں مجھے یہی حکم ملا ہے (شفاء بحوالہ شمائل ترمذی)

ایک بار ایک سائل کو نصف وسق غلہ قرض دلا دیا۔ قرضخواہ جب تقاضے کے لئے آیا تو حضورِ انور نے نصف وسق قرض کا اور نصف بطور جود و سخا عنایت فرمایا۔ (شفا)

حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ عالی تھا کہ اگر کوئی شخص مقروض مرجائے اور مال باقی نہ چھوڑے تو ہم اسے ادا کریں گے اور اگر کوئی مال چھوڑ دے تو وہ حقِ ورثاء کا ہے۔ (بخاری شریف)

سخاوت کا بہترین اصول مستحقین کی امداد ہے۔ آپ سے بڑھ کون سچا سخی ہو سکتا تھا۔ کیونکہ آپ فیاضی کی ضرورت اور اس کے مصرف کو جانتے تھے اور مسلمانوں کو اس امر کی تعلیم دیتے رہتے تھے (خاندانِ بنی ہاشم)

(جو آپ کے قریبی رشتہ دار تھے) برابر آپ ہی کی مدد سے بسر اوقات کیا کرتے تھے۔ حضرت انس کہتے ہیں کہ حضور اقدس (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس بحرین سے مال کثیر آیا۔ آپ نے فرمایا مسجد میں ڈال دو۔ آپ نے اس مال کی طرف ذرا بھی توجہ نہ فرمائی اور جب نماز سے فارغ ہو گئے مال کے پاس تشریف لا کر محتاجوں میں تقسیم کرنا شروع کیا۔ اس موقع پر آپ نے حضرت ابن عباسؓ سے فرمایا۔ اچھا تم خود جس قدر اٹھا سکو سونا چاندی اٹھا کر لے جاؤ۔" ابن عباسؓ نے اپنی ایک چادر بچھا کر ایک گٹھڑ سیم وزر کا تیار کیا لیکن چونکہ وہ بہت بھاری ہو گیا تھا اس لئے اس کے اٹھانے کیلئے جب کسی اور سے مدد طلب کی تو آپ نے خندہ پیشانی سے فرمایا" ابن عباسؓ یہ شرط نہیں ہے تمہیں خود ہی بلا امداد غیرے اٹھانا ہو گا۔" دو چار دفعہ اپنے بوجھ کو ہلکا کر کے ابن عباس اس تمام مال کو لے گئے۔ اور وہ اسقدر تھا کہ کسی کو امیر الامراء بنانے کے لئے کافی تھا۔ جب وہ روانہ ہوئے تو آپ انکی جانب دیکھتے جاتے تھے اور انکی حرص پر تعجب کرتے تھے۔ غرض کہ اس مال کو آپ برابر تقسیم فرماتے رہے جب اس میں سے ایک حبہ بھی باقی نہ رہا تو آپ اٹھ کر خالی ہاتھ گھر تشریف لے گئے (بخاری شریف)

ابن ابی شیبہ کی روایت میں ہے کہ ایک دن اعرابی آپ کی خدمت اقدس میں آیا اور اس نے حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم کی چادر مبارک کو جو موٹے کنارہ کی تھی زور سے جھٹکا دیا۔ وہ کنارہ حضورؐ کی گردن میں ایسا دھنس گیا کہ اس سے نشان پڑ گیا۔ اور ساتھ ہی زبان سے اس نے یہ کہنا

شروع کیا کہ "اے محمد! خدا کا مال جو تمہارے پاس ہے۔ یہ نہ تمہارا ہے اور نہ تمہارے باپ کا ہے اس میں سے ایک بار شتر مجھے بھی دلاؤ۔ حضورؐ نے جو حقیقی معنوں میں سخی اور کریم تھے، تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد فرمایا" مال بے شک خدا کا ہے اور میں اس کا غلام ہوں۔ یہ کہہ کر صحابہ کو حکم دیا کہ ایک بار شتر جو اور ایک بار شتر خرما اسے دیدیئے جائیں (بخاری و مسلم وشفا)

حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ ایک بار حضور انور کی خدمت اقدس میں ایک بچے نے حاضر ہو کر عرض کیا "میری ماں نے پیراہن مبارک مانگا ہے۔ آپ نے فرمایا تھوڑی دیر کے بعد لے جانا۔ وہ تھوڑی دیر کے بعد حاضر ہو گیا اور عرض کیا کہ میری ماں نے پیراہن شریف کے لئے مجھے دوبارہ بھیجا ہے آپ فوراً گھر میں تشریف لائے اور بدن اطہر سے پیراہن مبارک اتار کر بچے کے حوالے کر دیا۔ حالانکہ اس کے سوا کوئی دوسرا آپ کے پاس نہ تھا اور آپ برہنہ گھر میں بیٹھ رہے۔ جب نماز کا وقت ہوا۔ حضرت بلالؓ نے اذان کہی لوگوں نے کچھ دیر حضورؐ کا انتظار کیا جب آپ تشریف نہ لائے تو سب بے قرار ہو کر گھر میں حاضر ہوئے۔ وہاں دیکھا کہ آپ برہنہ تشریف فرما ہیں۔

مختصر یہ کہ آپ سخاوت میں بھی مثل اور اوصافِ حسنہ کے اس پایہ پر پہنچے ہوئے تھے کہ تاریخ عالم اس کی مثال پیش کرنے سے عاجز ہے یہ آپ کی سخاوت اور دریا دلی ہی کا نتیجہ تھا کہ آپ جب اس جہاں سے رخصت ہوئے تو آپ کے دولتکدہ میں یا آپ کے خزانۂ خاص میں اپنے

ورثاء کے لئے کچھ بھی باقی نہ تھا۔ جب آپ نے حضرت عائشہ صدیقہؓ کے گھر وفات پائی تو گھر کے اسباب میں علاوہ کھانا پکانے کے برتنوں کے جن میں اکثر ظروف مٹی کے تھے۔ ایک بوسیدہ بوریا بھی تھا جو اس وقت مرض الموت میں بستر کا کام دے رہا تھا۔ ایک زرہ اور ڈھال تھی لیکن وہ ایک یہودی کے ہاں گروی تھی (بخاری شریف)

عمر بن حارثؓ کہتے ہیں کہ آپ نے اپنی وفات کے وقت نہ کوئی درہم چھوڑا نہ کوئی غلام، نہ کوئی لونڈی، نہ کوئی اور چیز سوائے اپنے سپید خچر کے اور ہتھیار کے۔ اور قطعۂ زمین کے جس کو آپ نے صدقہ کر دیا تھا۔

(بخاری شریف)

انتقال فرمانے سے کچھ پہلے آپ نے پوچھا کہ "کچھ نقد گھر میں ہے؟ حضرت صدیقہؓ نے جواب میں فرمایا کہ "ہاں چند درہم ہیں" آپ نے ارشاد فرمایا:۔

نحن معاشر الانبیاء لا نورث ولا نرث

ہم انبیاء کا گروہ نہ کچھ دنیوی ورثہ پاتے ہیں اور نہ دنیاوی ورثہ کسی کے لئے چھوڑتے ہیں۔

ان درہموں کو خدا کی راہ میں دیدو"۔ اور حضرت ابوبکر صدیق فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لَا نُوْرِثُ مَا تَرَکْنَاهُ صَدَقَةٌ یعنی جو کچھ ہم نے چھوڑا ہے وہ صدقہ ہے۔ اس میں کسی کی میراث نہیں (بخاری)

اللہ اللہ وفات کے وقت یہ بے سروسامانی کا عالم اس شہنشاہِ

عربی کا تھا جس کے وفات پانے سے قبل مال و دولت نقد و جنس اسکے قدموں پر نثار ہو رہا تھا اور وہ آگے آگے جاتا تھا اور دولت پیچھے پیچھے قدم چومنے کو آتی تھی اور جس نے جس طرح عالم تہی دستی میں دنیا اور لوازمۂ دنیا کو آتے ہوتے دیکھ کر خدائے تعالےٰ کے مقابلہ میں لینے سے انکار کر دیا۔ اسی طرح جب خدائے تعالےٰ نے اسے اس دنیا کا مالکِ مختار کر دیا تو اس نے اس وقت بھی اس سے کنارہ کیا اور ثابت کر دیا ؎

در ضمیر ما نمی گنجد بغیر از دوست کس ❊ ہر دو عالم را بدشمن دہ کہ مارا دوست بس

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی کی دی ہوئی چیز واپس لینا سخت برا معلوم ہوتا تھا۔ حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اَلْعَائِدُ فِیْ هِبَتِهٖ کَالْکَلْبِ یَعُوْدُ فِیْ قَیْئِهٖ (بخاری شریف کتاب الہبہ) — جو شخص اپنے ہبہ کو واپس لے وہ مثل کتے کے ہے جو اپنی قے پھر کھالے۔

مسلمانانِ عالم اگر اس اسوۂ حسنہ پر غور کرتے اور اسکو اپنا دستور العمل بناتے تو یہ روز بد ان کو دیکھنا نصیب نہ ہوتا۔ جس کو آج دیکھ رہے ہیں۔ مگر مسلمانوں کو اس قدر مال کا ایثار کرنا اور ایسا سخی بننا آج سخت مشکل معلوم ہوتا ہے اور اس میں بھی کچھ کلام نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت دوسری تھی وہ قوم کے رہنما اور پیشوا تھے۔ خدائے تعالےٰ کے رسول تھے۔ بہت سی باتیں اور بہت سے کمالات اور بہت سے اوصاف انکے ساتھ مخصوص تھے۔ مگر پھر بھی

اپنی اپنی حیثیت اور طاقت کے موافق اس نیک عمل میں ہر مسلمان کو حصہ لینا واجب ہے بہت مال جمع کرنا اور اسی کا ہو رہنا اچھا نہیں۔ ہر ایک مسلمان کا فرض ہے کہ وہ سخاوت جیسی صفت کو حاصل کرنے سے باز نہ رہے اور اس اسوۂ حسنہ پر حتی المقدور عمل کرکے درجات عالیہ حاصل کرنے میں ہمیشہ ساعی و کوشاں رہے۔ بعض آدمی ایسے ہیں کہ گھر کے لوگ تو فاقہ کرتے ہیں اور وہ اپنے اسراف کی وجہ سے باہر بڑے سخی سمجھے جاتے ہیں اس لغزش سے بھی بچنا رہے۔ سخاوت کرنے میں بھی اگر اپنوں کا زیادہ خیال رکھا جائے تو دوہرا ثواب ہوتا ہے۔

سخاوت کی فضیلت اور بخل کی مذمت میں آپ کا ارشاد عالی ہے جس کو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:۔

اَلسَّخِیُّ قَرِیْبٌ مِنَ اللّٰہِ قَرِیْبٌ مِنَ الْجَنَّۃِ قَرِیْبٌ مِنَ النَّاسِ بَعِیْدٌ مِنَ النَّارِ وَالْبَخِیْلُ بَعِیْدٌ مِنَ اللّٰہِ بَعِیْدٌ مِنَ الْجَنَّۃِ بَعِیْدٌ مِنَ النَّاسِ قَرِیْبٌ مِنَ النَّارِ وَالْجَاھِلُ سَخِیٌّ اَحَبُّ اِلَی اللّٰہِ مِنْ عَابِدٍ بَخِیْلٍ ٥	سخی خدائے تعالےٰ کے قریب ہوتا ہے اور وہ جنت کے بھی قریب ہے (اور) آدمیوں کے (بھی) قریب ہے اور دوزخ سے دور ہے اور بخیل اللہ تعالےٰ سے دور (اور وہ) جنت سے بھی دور ہے اور لوگوں سے دور ہے اور دوزخ کے قریب ہے اور جاہل سخی خدا تعالیٰ کے نزدیک بہت پیارا ہے۔ عابد بخیل سے۔
(مشکوٰۃ بروایت ترمذی شریف)	

مطلب یہ کہ سخی خدا اور اس کی مخلوق کے نزدیک محبوب و مقبول ہوتا ہے اور جنت کا سچا حقدار ہوتا ہے اور بخیل نہ خدا تعالےٰ کے نزدیک اور نہ اسکی مخلوق کے نزدیک محبوب و مقبول ہوتا ہے۔ بلکہ لوگ اس کو اچھا نہیں سمجھتے اور وہ دوزخ کا اہل ثابت ہوتا ہے۔ اور عابد بخیل سے خدا تعالےٰ کے نزدیک جاہل سخی بہت پیارا اور محبوب ہوتا ہے ؎

ہو کیا بیان۔ لطف و سخائے محمدی ※ ضرب المثل ہے جُود و سخائے محمدی
خالی کبھی گیا نہ گدائے محمدی ※ قائم رہا غنا میں غنائے محمدی

چھوڑے غلام سینکڑوں دیکر بندھے ہوئے
سوتے تھے آپ پیٹ پر پتھر بندھے ہوئے

(دیگر)

واہ کیا جُود و کرم ہے شہ بطحا تیرا ※ نہیں سنتا ہی نہیں مانگنے والا تیرا
فیض یا شہ تسنیم نرالا تیرا ※ آپ پیاسوں کے تجسس میں ہے دریا تیرا
اغنیا پلتے ہیں در سے وہ ہے باڑا تیرا ※ اصفیا چلتے ہیں سر سے [redacted] ہے رستہ تیرا

فرش والے تری رفعت کا علو کیا جانیں
خسروا عرش پہ اڑتا ہے پھریرا تیرا

استقلال و استقامت

اصلاح و تبلیغ کا نازک فرض انجام دینے کے لئے سب سے بڑی ضرورت سچے استقلال اور فوق العادت عزم کی ہے تاکہ مصلح و مبلغ کو کوئی ترغیب

وتحریص اس کے پاک ارادے اسکی قابلِ قدر مساعی سے باز نہ رکھ کے اور وہ غیر متزلزل استقامت اور عزم راسخ کے ساتھ اپنا کام کرتا رہے اور متواتر ناکامیوں اور مسلسل مواقع پیش آنے سے مایوس و ہراساں نہ ہو۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جہاں اور ہزاروں محاسن اخلاق سے بدرجہ کمال متصف تھے۔ وہاں استقلالِ کامل اور عزمِ راسخ بھی آپ کے خلق عظیم کی نمایاں خصوصیت تھی۔ اپنے خدائے عزوجل کی طرف سے آپ جس خدمت کے لئے مامور ہو کر آئے تھے۔ اس کے پورا کرنے میں آپ آخر عمر تک اسی سرگرمی و دلچسپی سے کوشاں رہے جو ماموران الہٰی کا خاصہ ہے۔ سخت سے سخت مزاحمت اور شدید ترین مخالفت بھی آپ کو اپنے فرائض کے انجام دینے سے باز نہیں رکھ سکی اور آپ نے اپنے نیک مقاصد کی تکمیل میں کسی کی ملامت اور طعنہ زنی کی کبھی پرواہ نہیں کی اور نہ کسی مایوسی و ناامیدی نے آپ کے عزم راسخ میں کبھی کوئی تغیر پیدا کیا۔

آپ کی ذاتِ مبارک تبلیغ اسلام کے لئے ایک ایسی قوم میں مبعوث کی گئی تھی جو علوم سے بے بہرہ۔ مصالحت اور درگزر سے ناآشنا اور جملہ صفاتِ انسانی سے معرا تھی حضور کو توحید و صداقت کی دعوت و اشاعت میں سخت سے سخت زحمتیں برداشت کرنی پڑیں۔ ملک کا ملک دشمن تھا۔ قوم کی قوم خون کی پیاسی تھی۔ صاحب قوت وزر اپنی پوری طاقت سے مخالفت پر آمادہ تھے۔ باایں ہمہ آپ کے عزم و استقلال اور استقامت کا یہ حال تھا کہ نہایت جرأت و دلیری کے ساتھ اپنی کل قوم کے عادات

وطبائع ۔ رسوم ورواج کے برخلاف توحید کا سبق سکھایا اور اسلام کی دعوت دی ۔ یہ ایک ایسی دلفریب صدا تھی جس سے دیکھتے ہی دیکھتے دشت و جبل گونج اٹھے ۔ اور ہر ادنیٰ و اعلیٰ چونک گیا اور انہوں نے اس آواز کی مخالفت کو اپنا نصب العین ٹھہرا لیا اور آپ کی جان کے در پے ہو گئے باوجودیکہ تمام قوم ہم محلہ ہمسایہ حتیٰ کہ رشتہ دار بھی آپ کے مخالف تھے آپ کی ذات بابرکات سخت خطرے میں تھی مگر واہ رے استقلال و استقامت آپ پیغام حق سنانے اور دعوت الی الخیر کے پہنچانے سے دستکش نہ ہوتے بلکہ پہلے سے بھی زیادہ تبلیغ اسلام کے لئے سرگرمی سے کوشش شروع کر دی اسی استقلال و استقامت کا نتیجہ تھا کہ آپ کی زندگی ہی میں کل قوم عرب دین متین کے آگے سر تسلیم خم کرنے پر مجبور ہو گئی ۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار مجنون (معاذ اللہ) کہتے تھے جیسا کہ قرآن کریم میں ہے :۔

وَيَقُولُونَ إِنَّهُ لَمَجْنُونٌ ۔ اور کہتے ہیں کہ (یہ شخص) تو ایک دیوانہ ہے ۔ (پ ۲۹ ۔ س ۔ قلم ۔ ع ۲ ۔ ۱)

جس کی اللہ تعالیٰ نے تردید فرمائی :۔

مَا أَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُونٍ ۝ وَإِنَّ لَكَ لَأَجْرًا غَيْرَ مَمْنُونٍ ۝ (اے نبی) تم اپنے پروردگار کے فضل سے (ہرگز) دیوانے نہیں ہو (جیسا کہ کافر کہتے ہیں) اور بلاشبہ (تبلیغ رسالت کے صلہ میں) تم کو ایسا اجر ملنے والا ہے جس کا سلسلہ کبھی نہیں ٹوٹے گا ۔

مجنون سے انکی مراد وہ پاگل یا سودائی یا دیوانہ نہیں تھی جو بازاروں میں وحشیانہ حالت میں ادھرادھر پھرتے ہیں۔ اس معنے میں تو مجنوں کا لفظ کافر آنحضرت صلی اللہ علیہ کی نسبت کہہ نہیں سکے کیونکہ وہ صریحاً دیکھتے تھے کہ آپ کی اخلاقی تعلیم ایسی اعلیٰ درجہ کی ہے کہ کوئی بڑے سے بڑا دانشمند اور حکیم بھی ایسی تعلیم نہیں دے نہیں سکتا بلکہ وہ آپ کو اور ہی معنوں میں مجنوں کہتے تھے۔ یعنی یہ کہ وہ عجیب دھنی آدمی ہے۔ ایک بات کے پیچھے ایسا پڑا ہے کہ ہرگز اسے چھوڑنا نہیں چاہتا۔ اللہ تعالیٰ نے حضور صلعم کو بھی یہی فرمایا تھا۔

فَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ ۔ (اے نبیؐ، جن باتوں کا تجھ کو حکم دیا گیا ہے اس پر پوری استقامت رکھ تاکہ تیرے پائے ثبات میں لغزش نہ آئے۔

وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ اپنے رب کی عبادت کر۔ اور ایسا فوق العادت استقلال و ثبات دکھا کر موت تک تیرے حرکات و استقلال و افعال میں فرق نہ آئے۔

وہ آواز جو شروع میں مکہ میں آپ کے منہ سے نکلی تھی وہ سخت مخالفتوں کے باوجود پست ہونے کی بجائے روز بروز اور زیادہ بلند ہوتی گئی۔ تکلیفیں اٹھائیں ہزاروں اذیتیں سہیں۔ آپ کے قتل اور قید کے منصوبے سوچے گئے۔ وطن چھڑایا گیا۔ ہر قسم کی ترغیبات پیش کی گئیں۔ تمام کفار اور سارا عرب آپکی مخالفت پر تل گیا مگر ان میں سے کوئی بات

بھی آپ کی اس پہلی آواز کو نہ دبا سکی۔ اور آپ نے غیر معمولی صبر و تحمل سے ان تمام مصائب کو برداشت کیا۔ پھر جب مدینہ طیبہ میں آپ کو عروج نصیب ہوا تو اس وقت بھی وہی آواز یعنی کلمہ طیبہ اس پاک رسول کی زبان پر تھا۔ یہ فوق العادت استقلال اور استقامت ہی ایک ایسی شے تھی جو دنیا میں ایک بالکل نئی اور بے نظیر انقلاب پیدا کرنے کی اصل اصول تھی۔ اور یہی آپ کی کامیابیوں کی جڑ تھی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جس زمین اور جس جگہ پر ناقوس بجتے تھے۔ لات و عزیٰ کی پوجا ہوتی تھی۔ آفتاب و ماہتاب اور ستارے خدا مانے جاتے تھے وہاں لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ الرَّسُوْلُ اللّٰهِ کی آواز گونجنے لگی اور جہاں شراب، زناکاریاں علانیہ فسق و فجور اور نہایت ناپاک اور گندے کام ہوتے تھے وہاں خدائے پاک کی سچی توحید قائم ہونے کے بعد سچا تقویٰ اور طہارت پھیل گئی اور یہ سب کچھ آپ کے استقلال اور پاک استقامت کی بدولت ہوا اور قیامت تک اسی طرح ہوتا رہے گا۔

اس لئے ہر مسلمان کو چاہئے کہ خدائے پاک کے راستہ میں جب اس پر کوئی مصیبت آئے تو گھبرا نہ جائے۔ کسی طرح کا شکوہ و شکایت نہ کرے۔ اور بڑے صبر سے اسے برداشت کرے۔ حضور انور نے ہزاروں مصیبتیں سہیں۔ لاکھوں دکھ اٹھائے پر جس نیک کام کو شروع کیا تھا۔ ہرگز نہ چھوڑا اور جب تک اس کو پورا نہ کر لیا آرام نہ لیا۔ بس ہمیں بھی چاہئے کہ اس اسوۂ حسنہ کی تقلید کریں اور جس نیک کام کو شروع کریں

اگرچہ تکلیفیں بھی پہنچیں اور مصیبتیں بھی اٹھائیں پر اس کام کو پورا ہی کرکے چھوڑیں۔

حضرت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی تمام زندگی کلمتہ اللہ کی تبلیغ اور دشمنانِ حق سے مقابلہ میں صرف کردی۔ قرآنِ کریم کو پڑھ کر دیکھو کہ وہ باطل سے کیسی خوفناک ٹکر لیتا ہے آپ اس کو عمل میں لاکر دکھانے والے تھے۔ اگر آپ کی سوانح سے کوئی واقف نہ بھی ہو جب بھی قرآنِ کریم کے عمل سے پتہ لگا سکتا ہے کہ کس قدر عظیم الشان کام آپ کے سپرد تھا اور اس سے قیاس کرسکتا ہے کہ کس قدر آرام اور تن آسانی میں آپ کی زندگی بسر ہوتی ہوگی۔

جتنے مصائب آپ پر ٹوٹے اگر کسی اور شخص پر ٹوٹتے تو وہ جلد ہی مرجاتا مگر ہم دیکھتے کہ آپ کیسے استقلال و استقامت کا نمونہ ہیں۔ آپ کیسے صابر و شاکر ہیں۔ گیارہ بچے فوت ہوتے ہیں۔ اور آپ اف تک نہیں کرتے۔ عزیز سے عزیز رشتہ دار اور عزیز سے عزیز صحابہؓ شہید ہوگئے۔ مگر آپ ہر حال میں رضا بالقضا کا نمونہ ہی دکھلاتے رہے اور آپ کے ارادوں میں کسی قسم کے فتور یا لغزش کا نام تک نہ آیا۔ ثابت قدمی و اولوالعزمی کی مثال اس سے بڑھ بڑھ کر اور کیا ہوسکتی ہے؟

جہاں تک تاریخ عالم کا تعلق ہے دنیا ایسی نظیر سے خالی نظر آتی ہے کہ ایک نادار اور یتیم بچے نے بچپن سے لیکر عمر کے آخری دور تک اس قدر متضاد اور مختلف خوبیوں کو اپنے اندر جمع کیا ہو۔ حضورِ انور کی ذات

پاک اخلاقِ حسنہ اور کمالاتِ انسانی کی ایسی جامع مثال تھی کہ ہر وقت اور ہر جگہ اسی کی خوبیوں کا پرتو پڑتا تھا۔ مکہ معظمہ میں جب کہ رنج و مصیبت کا سامنا تھا، صبر و ثبات تحمل و استقامت رضا اور تسلیم کا جلوہ نظر آتا تھا مدینہ طیبہ میں جب کہ اطمینان اور راحت نصیب ہوئی۔ شکر و عطا، جود و سخا عفو و کرم کا نور دکھائی دیتا تھا۔

انسان جس قدر مشکلات اور مصائب میں مبتلا ہوتا ہے اور دنیا میں اس پر آفتیں آتی ہیں یہ سب شامتِ اعمال ہی سے آتی ہیں۔ بعض لوگ اس دھوکہ میں پڑ جاتے ہیں کہ ہم پر اگر مصیبتیں آئیں تو کیا ہوا بڑے بڑے نبیوں پر آئی ہیں۔ حالانکہ انبیاء علیہم السلام کی مصائب میں لذت ہوتی ہے وہ قربِ الٰہی کے بڑھانے کا موجب ہوتی ہیں۔ ان سے محبت الٰہی بڑھتی ہے اور ان کا فوق العادت استقلال و استقامت اور رضا اور تسلیم اعلیٰ درجہ کی معرفت کا باعث بنتے ہیں۔ برخلاف اس کے یہ مصیبتیں اور بلائیں اور وبائیں جو گناہوں کی شامت سے آتی ہیں ان میں درد اور تکلیف کے علاوہ خدا سے بعد ہوتا ہے اور ایک تاریکی چھا جاتی ہے۔ آخر بالکل تباہی اور بربادی ہو جاتی ہے۔ خدا کے راستہ میں حضورِ انورؐ کو جس قدر تکلیفوں کا سامنا کرنا پڑا ان میں آپ کو ایک راحت اور لذت محسوس ہوتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ مخالفوں کی ہر ایک ممکن کوشش آپ کے پائے ثبات کو متزلزل نہیں کر سکی۔

حضورِ انورؐ کی زندگی کے واقعات میں ایک روشن اور درخشندہ

واقعہ یہ ہے۔ جس سے آپ کے استقلال اور استقامت پر کافی روشن پڑتی ہے کہ جب مکہ کے کافروں نے دیکھا کہ مخالفت اور عداوت سے کامیابی نہیں ہوتی اور عام مظالم سے کام نہیں چلتا۔ تو عمائدین قریش نے ارادہ کیا کہ حضورؐ کو قتل کر دیں۔ لیکن اس قتل کرنے سے پہلے انہوں نے پھر ایک دفعہ لالچ دے کر آزمانا چاہا۔ اور آپ کو تبلیغ حق سے روکنے کی آخری تدبیر کی۔ چونکہ روپیہ۔ عورت۔ حکومت۔ یہی تینوں چیزیں ہمیشہ دنیا داروں کا نصب العین ہوا کرتی ہیں۔ اسی لئے عمائدین قریش اپنے معبودوں کی حمایت میں انہی تینوں چیزوں کا لالچ دینے کے لئے سب مل کر آپ کے پاس آئے۔ ان میں سے مکہ کا مشہور سردار جس کا نام عتبہ تھا۔ آپ سے اسطرح مخاطب ہوا۔ کہ:۔

اے میرے بھتیجے محمد! ہم اب تیرے سامنے ایک تجویز پیش کرتے ہیں تو اس پر غور کر اور اگر تجھے پسند خاطر ہو تو اسے قبول کر۔ اور وہ یہ ہے کہ اگر اپنی اس کارروائی سے مال و دولت جمع کرنا مقصود ہے تو ہم خود ہی تیرے پاس اتنی دولت جمع کر دیتے ہیں کہ تو مالا مال ہو جائے بلکہ ہم میں سے کسی کے پاس اتنی دولت نہ ہوگی۔ اگر تجھے عزت کی ضرورت ہے تو اچھا ہم سب تجھے اپنا رئیس مان لیتے ہیں اگر تجھے حکومت کی خواہش ہے تو ہم تجھے بادشاہِ عرب بنا دیتے ہیں تو ہم سب کا امیر اور بادشاہ ہوگا۔ اور کوئی امر تیرے مشورہ کے خلاف نہ کریں گے اور اگر عورت چاہیے تو ہم اعلیٰ درجہ کی جمیلہ حسینہ عورت تجھے لا دیں گے

یا جو کوئی پسند خاطر ہو چکی ہو وہ بھی حاضر ہو سکتی ہے۔ مگر تم اپنا یہ طریق چھوڑ دو کہ ہمارے خداؤں اور معبودوں کی توہین اور ہتک نہ کیا کرو۔ یا کم از کم ان کے متعلق کچھ نہ کہا کرو۔ اگر تمہارے دماغ میں کچھ خلل آگیا ہے تو بتلا دو کہ ہم تمہارا علاج کریں۔"

حضور نے اس کے جواب میں فرمایا۔

"جو کچھ تم نے میری بابت کہا وہ ذرا بھی صحیح نہیں۔ مجھے مال، عزت و دولت حکومت اور عورت کچھ درکار نہیں اور میرے دماغ میں خلل بھی نہیں۔ میری حقیقت تم کو قرآنِ پاک کے اس کلام سے معلوم ہوگی (پھر مندرجہ ذیل آیات تلاوت فرمائی)

حٰمٓ تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ قُرْاٰنًا
عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ بَشِيْرًا وَّ
نَذِيْرًا فَاَعْرَضَ اَكْثَرُهُمْ فَهُمْ
لَا يَسْمَعُوْنَ وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا فِيْٓ اَكِنَّةٍ
مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ وَفِيْٓ اٰذَانِنَا وَقْرٌ
وَّمِنْۢ بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ حِجَابٌ فَاعْمَلْ
اِنَّنَا عٰمِلُوْنَ قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ
مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ
اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَاسْتَقِيْمُوْٓا اِلَيْهِ

یہ فرمان خدائے رحمٰن و رحیم کے حضور سے صادر ہوتا ہے۔ یہ قرآن کتاب ہے جس کی باتیں عربی زبان میں سمجھ دار لوگوں کے لئے تفصیل کے ساتھ بیان کردی گئی ہیں ان کے واسطے اس فرمان میں بشارت ہے اور جو انکار کرتے ہیں انکو خدا کے عذاب سے ڈراتا ہے تاہم بہت سے لوگوں نے اس فرمان سے منھ پھیر لیا۔ وہ اسے سنتے ہی نہیں اور کہتے ہیں کہ اس

وَاسْتَغْفِرُوْهُ وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِيْنَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ (پ۲۴ س حٰمٓ السجدۃ ع ۱/۱۵)

کا ہمارے دل پر اثر نہیں۔ اور ہمارے کان اس کے شنوا نہیں۔ اور ہم میں اور تم میں ایک طرح کا پردہ پڑا ہے تم اپنی تدبیر کرو ہم اپنی تدبیر کر رہے ہیں۔

اے نبی ان لوگوں سے کہہ دیجئے کہ میں بھی تم ہی جیسا بشر ہوں مگر مجھ پر وحی آتی ہے اور خدا کے فرشتے نے یہ بتلا دیا ہے کہ سب لوگوں کا معبود صرف ایک ہے۔ اسی کی طرف متوجہ ہونا اور اسی سے گناہوں کی معافی مانگنا لازم ہے۔ ان لوگوں پر افسوس ہے جو شرک کرتے ہیں اور صدقہ نہیں دیتے اور آخرت کا انکار کرتے ہیں۔ لیکن جو لوگ خدا پر ایمان لاتے اور انہوں نے نیک کام کئے ان کے لئے آخرت میں بڑا اجر ہے

ان آیات کی تلاوت ختم فرماکر حضورؐ نے ارشاد فرمایا" اے ابو الولید تو نے سنا اب تجھے اختیار رہے کہ ان دو راہوں میں سے چاہے جس راہ کو اختیار کرلے" (ابن ہشام جلد ۱ صفحہ ۱۸۵ و ۱۸۶)

رسول اللہ صلعم کو طرح طرح کے لالچ دیکر بھی جب معاندِ قریش کامیاب نہ ہوتے تو تمام قبائل کے سرداروں کو جمع کرکے آپ کے چچا ابو طالب کے پاس آتے اور کہنے لگے۔

ہم نے آپ کا بہت ادب کیا مگر حد ہوتی ہے۔ اب ہم سے تیرے بھتیجے کی باتیں سنی نہیں جاتیں۔ وہ ہمارے دیوتاؤں اور بتوں کو

جنہیں ہمارے باپ دادا پوجتے آئے اتنا سخت سست کہنے لگا ہے کہ اب ہم صبر نہیں کر سکتے۔ اب آپ مہربانی کر کے انہیں سمجھا دیں کہ آئندہ سے اپنی زبان بند کرلیں۔ ورنہ ہم اسے جان سے مار ڈالیں گے۔ اور اپنے جانبداروں سے بھی اچھی طرح سمجھ لیں گے اور تم اکیلے سب کا کچھ نہیں کر سکو گے۔ ابوطالب سمجھے کہ اب معاملہ نازک ہو گیا ہے۔ سارے ملک کی عداوت کو دیکھ کر ان کا دل درد اور محبت سے بھر گیا۔ چونکہ ان کو یقین ہو گیا کہ اب آپ کی جانِ عزیز خطرے میں ہے۔ اس لئے انہوں نے حضورؐ کو اپنے پاس بلا کر سمجھانا شروع کیا کہ بیٹا! اب تم خاموش رہو۔ بت پرستی کی مخالفت نہ کیا کرو۔ ورنہ میں بھی تمہاری حمایت نہ کر سکونگا اے میرے بھتیجے! تو اپنے آپ کو اور مجھ کو بچا لے اور مجھ پر وہ بوجھ نہ ڈال کہ جس کی متحمل میری ضعیف ہڈیاں نہ ہو سکیں۔

ابوطالب جیسے مہربان اور حامی چچا کے ان الفاظ نے حضورِ انور کے استقلال و استقامت میں مطلقاً کوئی تغیر پیدا نہیں کیا حالانکہ آپ دیکھ رہے تھے کہ اب چچا کی اس بات سے رہی سہی جو کچھ طاقت و حمایت حاصل ہے وہ بھی جا رہی ہے۔ آپ فوراً اپنے مالک الملک صاحب قوت خدا پر بھروسہ کر کے اٹھ کھڑے ہوئے اور کمال استقلال و اطمینان کے ساتھ فرمایا۔

اے چچا! اگر یہ لوگ سورج کو میرے داہنے ہاتھ پر رکھیں اور چاند کو بائیں ہاتھ پر تب بھی میں اپنے کام (تبلیغ حق) سے نہ ہٹوں گا۔

اور خدائے پاک کے حکم میں ایک حرف بھی کم وبیش نہ کرونگا۔ خواہ اس کوشش میں میری جان بھی جاتی رہے (سیرت ابن ہشام صفحہ ۹۰ ج)

یہ پاک وصاف اور پرجوش الفاظ فرما کر آپ کے آنسو بھر آئے اور وہاں سے منہ پھیر کر باہر تشریف لے آئے۔ بزرگ ابو طالب یہ الفاظ سن کر ششدر و حیران رہ گئے اور آپ کی اس حیرت انگیز استقامت نے ان کے دل پر ایسا گہرا اثر ڈالا کہ آپ کو چھوڑ دینے یا تبلیغ حق کے روکنے کا خیال بالکل محو ہو گیا۔ اور بے اختیار بول اٹھے "کہ بھتیجے تو جو چاہتا ہے کر۔ خدائے کعبہ کی قسم میں تیرا ساتھ کبھی نہ چھوڑوں گا۔

اللہ اللہ یہ امتحان بھی کس قدر کڑا اور زبردست تھا۔ مگر حضورؐ انور نے اپنے چچا کو اس مختصر جملہ میں بتلا دیا کہ تم کیا اور یہ عرب کیا اور تمہاری حمایت کیا۔ اور انکی عداوت کیا۔ میں تو اس خدائے پاک و برتر کے نام پر کہ جو کل طاقتوں اور عزتوں کا حقیقی مالک ہے اور اس پرستش و توحید کے قائم کرنے کے مقابل کائنات کی پرواہ نہیں رکھتا۔ جب تک میرا خدا میرے صدق کو ان پر ظاہر نہ کردے۔ یا میں اس کوشش میں اپنی جان نہ دیدوں۔ میں اس مشن کی اشاعت سے کہ جس پر میرے خدا نے مجھ کو متعین کیا ہے باز نہیں رہ سکتا۔

سچ ہے "الاستقامۃ فوق الکرامۃ" استقامت فی الواقع کرامت سے بڑھ کر ہوتی ہے۔ یہ وہ کچھ کر سکتی ہے جو سحر اور جادو سے ممکن نہیں۔ اس استقامت کی وجہ سے آپ اور آپ کا مشن کامیاب

ہوا اور ایسا کامیاب ہوا کہ مخالفین اب تک حیران ہیں کہ اتنی قلیل مدت میں آپ کا دین کس سرعت اور تیزی کے ساتھ پھیلا کہ جس کی نظیر انبیاء سابقین میں تلاش کرنی محال ہے بلکہ ناممکن ہے پس آپ کے اس خاص کمال کو دیکھ کر ماننا پڑتا ہے کہ آپ عزم اور خلق استقامت کے کامل مظہر تھے اور یہی آپ کی کامیابیوں کی کلید تھی جس کو دیکھ کر مخالفین کو بھی یہ اقرار کرنا پڑا کہ آپ سچے نبی تھے۔

چنانچہ مسٹر باسورتھ اسمتھ اس واقعہ کو لکھ کر کہتے ہیں کہ "یہ کلام اور یہ چلن ایک جھوٹے مدعی رسالت کا نہیں ہوسکتا (صلی اللہ علیہ والہ وسلم)

توکل واخلاص باللہ

حضرت سرور دوعالم فخر بنی آدم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر فعل ہر حرکت اور ہر سکون میں حکمت کے دریا موجیں مارتے ہیں کوئی بھی ایسا موقعہ نہیں جہاں آپ کے تعلق پورے توکل اور کامل اخلاص کا پتہ نہ لگتا۔ اٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے ہر وقت اللہ تعالیٰ کا خیال رہتا تھا اسی کے سہارے اور بھروسہ پر آپکی پاک زندگی کا دارومدار تھا۔ یوں تو آپ کی پاک زندگی کا ہر لمحہ اور ہر لحظہ ہر ایک ساعت اور ہر گھڑی اللہ تعالےٰ کے ساتھ آپ کے توکل واخلاص کا پورا پتہ چلتا ہے۔ مگر ذیل نمونتہً چند واقعے درج کئے جاتے ہیں جن سے جن سے اس مسئلہ پر کافی روشنی

پڑسکتی ہے

(۱) کھانے پینے یا تلاش رزق کی نسبت تو آپ کا توکل اس درجہ بڑھا ہوا تھا کہ حضرت انسؓ فرماتے ہیں ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان لایدخر شَیئًا لِغَدٍ (ترمذی شریف) یعنی آپ کل کے لئے کبھی کوئی چیز گھر میں نہیں رکھا کرتے تھے۔

(۲) حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ابتدائے دعوائے نبوت اور اشاعت دین اسلام کے آغاز میں چونکہ کفار کی کثرت تھی اور سب کے سب درپئے قتل رہتے تھے اس لئے آپ کی حفاظت کے لئے آپ کے گرد پہرا رہا کرتا تھا۔ جب آیت واللہ یعصمک من الناس (یعنی اے رسول اللہ تم کو دشمنوں کے شر سے بچائے رکھے گا) نازل ہوئی تو آپ نے اسی وقت پہرہ موقوف کر دیا۔ اور فرمایا کہ اب پہرہ کی حاجت نہیں رہی۔ اب میری حفاظت کا ذمہ خدائے تعالےٰ نے لے لیا ہے۔

اللہ اللہ! آپ کا خدائے تعالےٰ پر کس قدر ایمان تھا اور وَاللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ پر کیسا یقین تھا۔ راستی اور صداقت کا اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے؟

ایک دن آپ اپنی تلوار ایک درخت پر لٹکا کر سو رہے تھے کہ اتنے میں آپ کے دشمنوں میں سے ایک مشرک آیا اور تلوار اٹھا کر کھینچ لی۔ اور آپ سے کہا کہ "اب آپ کو مجھ سے کون بچا سکتا ہے" آپ نے فرمایا "اللہ تعالےٰ" یعنی میرا خدا مجھے بچا سکتا ہے"۔ ان ایمان سے

لبریز الفاظ سنکر اس کافر کے ہاتھ سے تلوار گرگئی پھر آپ نے خود تلوار اٹھالی اور فرمایا تو بول اب میرے ہاتھ سے تجھ کون بچاتے گا؟ وہ کہنے لگا کہ "محمد کا رحم بچائے گا۔ آپ نے فرمایا اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہدے۔ اس نے کہا کہ "یہ تو میں نہیں کہتا لیکن نہ میں آپ سے لڑوں گا، نہ آپ کا ساتھ دونگا اور نہ ان لوگوں کا ساتھ دونگا جو آپ سے لڑتے ہیں۔ آپ نے معاف کر دیا (بخاری شریف) اور شرح القریہ لابن حجر میں اس کا نام غورث ابن الحرث لکھا ہے جو بعد میں ایمان لے آیا تھا۔ یہ شخص اپنی قوم میں جا کر کہنے لگا۔ (لوگوں میں سے سب سے اچھے کے پاس سے ہو کر میں تم میں آیا ہوں۔ صفحہ ۹۹)

(۴) واقعہ ہجرت ایک عجیب ہولناک واقعہ ہے۔ سارا عرب مخالف اور خون کا پیاسا تھا۔ مگر حضور علیہ السلام صرف ایک ساتھی کو لے کر مدینہ طیبہ کی طرف چل پڑے۔ راستہ میں وہ قومیں آباد تھیں جو مذہب کی مخالفت کی وجہ سے آپ کے مارنے کی فکر میں تھیں۔ ادھر آپ کی غیر حاضری کو دیکھ کر قریش نے آپ کی گرفتاری اور قتل پر انعام مقرر کر دیا تھا۔ اور اعلان شائع کر دیا تھا۔ کہ جو شخص رسول کریم اور آپ کے ساتھی حضرت ابوبکر رضہ کو زندہ یا مردہ لے آئے گا۔ اسے دو سو اونٹ فی کس انعام ملے گا۔ اس لالچ اور طمع کی وجہ سے ہر طرف آپ کی تلاش شروع ہوئی۔ ایسے موقعہ پر بہادر سے بہادر انسان بھی دل ہار بیٹھتا ہے۔ اور اگر کوئی نہایت قوی دل، نہایت دلیر اور خلاف معمول جرأت رکھنے والا انسان بھی ہو تو

اس پر بھی خوف ایسا طاری ہو جاتا ہے کہ اس کی ہر ایک حرکت سے اس کا اظہار ہوتا ہے۔ لیکن حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دنیاوی لوگوں میں سے نہ تھے۔ آپ کی نظریں دنیا کی طرف لگی ہوئی نہیں تھیں۔ بلکہ آپکی نگاہ خدائے تعالیٰ کی طرف اٹھی ہوئی تھی۔ دنیا کے اسباب آپ کے مدنظر نہ تھے۔ آپ یہ دیکھ رہے تھے کہ میرے ساتھ وہ خدا ہے جو ہمیشہ سے اپنے نیک بندوں کا محافظ چلا آتا ہے۔ اور جس کے وار کا کوئی دشمن مقابلہ نہیں کر سکتا۔

سراقہ بن جعشم لالچ اور دشمنی سے گھوڑے پر سوار ہو کر آپ کے تعاقب میں نکلا دور سے دیکھ کر آپ کی طرف گھوڑے کو اس طرح دوڑا دیا۔ جس طرح شکاری اپنے شکار کو دیکھ کر لپکتا ہے۔ چنانچہ وہ آپ کو دیکھ کر آپ کی طرف لپکا۔ اور تیر کمان پر چڑھا کر چاہتا تھا کہ آپ پر وار کرے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس کو دیکھ کر عرض کیا کہ "یا رسول اللہ! ایک سوار آپہنچا اور آپ پر وار کرنا چاہتا ہے۔ لیکن آپ نے سراقہ بن جعشم کی اتنی بھی پرواہ نہیں کی جتنی ایک بیل کی کیجاتی ہے۔ حضرت ابوبکرؓ باوجود اس توکل اور بھروسے کے جو آپ میں پایا جاتا تھا۔ مڑ مڑ کر دیکھتے تھے۔ اور گھبرا رہے تھے۔ مگر رسول کریم کو خدائے تعالیٰ پر اس قدر توکل اور بھروسہ تھا کہ سراقہ سے خوف و ہراس کا اظہار کرنا تو جدا آپ نے ایک دفعہ منہ پھیر کر بھی اس کی طرف نہیں دیکھا۔

یہ وہ توکل واخلاص باللہ کی انتہائی حد ہے کہ جہاں سوائے

آپ کے کسی دوسرے کی رسائی نہیں۔ آپ کی اس ادا نے سراقہ کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا۔ اور اسکی آنکھیں کھل گئیں کہ میں کس انسان کا پیچھا کر رہا ہوں۔ وہ مدت العمر اس نظارہ کو اپنے حافظہ سے نہیں مٹا سکا بلکہ وہ ہمیشہ اس خلاف معمول واقعہ کو بیان کرتا رہا اور کہا کرتا تھا۔ سمعت قرأۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وھو لا یلتفت وابو بکر بکثرت الالتفات یعنی میں گھوڑا دوڑاتے دوڑاتے اس قدر نزدیک ہو گیا کہ میں آپ کے قرآن پڑھنے کی آواز سن رہا تھا۔ اور میں نے دیکھا کہ آپ دائیں بائیں بالکل نہیں دیکھتے تھے۔ ہاں ابوبکر بار بار دیکھتے تھے۔ آپ کے اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہونے اور آپکے تمام کاروبار کے منجانب اللہ ہونے کے لئے یہی کافی ہے۔

(۵) کفار قریش نشان قدم پہچانتے پہچانتے اور پتہ لگاتے لگاتے جب غارِ ثور تک پہنچ گئے۔ تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے انکی آہٹ سنی نہایت مضطرب ہوئے اور آپ سے عرض کیا کہ کفار آپہنچے ہیں۔ اب ہم دونوں کا یہیں خاتمہ ہے۔ حضرت رسولِ خدا نے ایسی نازک حالت میں جب کہ موت آنکھوں کے سامنے پھر رہی تھی اور تمام امیدوں کا خاتمہ تھا بے نظیر توکل باللہ اور استقلال و عدیم المثال جوانمردی سے ارشاد فرمایا لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا اے ابوبکرؓ کیا غم ہے اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ (توبہ پ۱۰)

یہ وہ جان بخش الفاظ ہیں جو صفحۂ تاریخ میں آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہیں اور توکل و اخلاص باللہ کی مجسم تصویر ہیں۔ یہ اُسوۂ حسنہ بالخصوص مسلمانوں کے قابل توجہ ہے۔

قوم کا اعزاز و احترام

دوسروں کا ادب و احترام کرنا اور باوجود اپنے علو مرتبت کے اوروں کے ساتھ تواضع و انکسار سے پیش آنا انسانی خصائل میں ایک ایسی شریفانہ اور نیک خصلت ہے جس سے اخوت و اتحاد اور مساوات و یگانگت کی بنیادیں مستحکم ہوتی ہیں۔ اس لئے حضرت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ و السلام کو دوسروں کے ادب و احترام کا بہت خیال رہتا تھا۔ اور اس امر خاص میں جو اسوۂ حسنہ حضورِ انور نے اپنی امت کے لئے پیش فرمایا ہے اگر مسلمان اس پر عمل کرنے لگیں تو بہت جلد اپنی کھوئی ہوئی عزت کو دوبارہ حاصل کر سکتے ہیں۔

حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ تھی کہ آپ کبھی مجلس میں پائے مبارک دراز کر کے تشریف نہیں رکھتے تھے۔ اور اپنے اصحاب کو کنیت کے نام سے پکارتے تھے (عرب میں عزت سے بلانے کا یہی دستور ہے)۔ اگر آپؐ کو کوئی شخص بلاتا تو آپ اس کے جواب میں لبیک (حاضر ہوں) فرمایا کرتے۔ کوئی شخص آپ کی خدمتِ اقدس میں آتا تو اس کی تعظیم کرتے۔ اس کا ادب بجا لاتے۔ ایک دفعہ آپ حجرہ میں تشریف رکھتے تھے۔ آپ کے اصحاب اس کثرت سے خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے کہ حجرہ شریف بھر گیا۔ بیٹھنے کو جگہ نہ رہی۔ حضرت جریر رضی اللہ تعالےٰ عنہ جو ایک صحابی تھے تشریف لائے اندر جگہ نہ دیکھی تو دہلیز پر بیٹھ گئے۔ آپ نے اپنی چادر لپیٹ کر ان کے پاس

پھینک دی اور فرمایا کہ "اس پر بیٹھ جاؤ" انہوں نے چادر مبارک کو اٹھا کر آنکھوں سے لگایا اور بوسہ دیکر رونے لگے اور تہہ کر کے آپ کو واپس کر دی اور عرض لیا کہ "میں اس لائق نہیں کہ آپ کی چادر مبارک پر بیٹھوں، جیسی آپ نے میری تعظیم و تکریم کی ہے خدا آپ کی تعظیم و تکریم کرے" پھر آپ نے دائیں بائیں دیکھ کر فرمایا "جب تمہارے پاس کوئی آدمی آئے تو تم اسکی تعظیم و تکریم کیا کرو۔"

بعض اوقات آپ کی خدمتِ اقدس میں کوئی حاضر ہوتا اور آپ تکیہ لگائے بیٹھے ہوتے جس میں اتنی گنجائش نہ ہوتی کہ اس کو اپنے ساتھ بٹھا لیں تو تکیہ نکال کر اسے دیدیتے اگر وہ لینے سے انکار کرتا تو آپ اصرار کر کے اسے دے ہی دیتے تھے۔ یہ یاد رہے کہ یہ تکیہ چمڑے کا تھا جس میں کھجور کے پتے بھرے ہوئے تھے۔

ایک دفعہ ایک بڑھیا آپ کے پاس آئی۔ آپ نے اس کی بہت تعظیم کی۔ جب آپ سے اس کا حال پوچھا گیا تو فرمایا: "یہ خدیجہ (رضی اللہ عنہا) کی سہیلی ہے اور انکے پاس اکثر آیا کرتی تھی۔"

آپ اپنے بزرگوں کی بڑی عزت کرتے اور انکی بات مان لیتے تھے آپ کی دایہ جس نے آپ کو دودھ پلایا تھا ایک دفعہ آپ کی خدمتِ اقدس میں آئیں تو آپ نے اپنی چادر مبارک ان کے لئے بچھا دی۔

ایک دفعہ آپ کنویں پر اپنے ایک صحابی کے ساتھ غسل کرنے گئے انہوں نے ایک چادر کی آڑ آپ پر کر لی۔ جب آپ نہا چکے تو وہ صحابی نہانے لگے۔ تو آپ بھی کپڑا روک کر کھڑے ہو گئے تاکہ انکا پردہ ہو جائے

انہوں نے کہا: "آپ پر میرے ماں باپ فدا ہوں آپ ایسا نہ کریں"۔ آپ نے نہ مانا۔ اور جب تک وہ غسل سے فارغ نہ ہو گئے آپ پردہ کئے کھڑے رہے

جہاں آپ اپنے دوستوں اور دشمنوں کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آتے تھے۔ اور عاجزوں پر رحم کرتے تھے وہاں جو لوگ نیک اخلاق ہوتے انکی بڑی عزت اور احترام کرتے تھے چنانچہ حاتم طائی ایک مشہور سخی ہوا ہے اس کا نام سب لوگوں میں مشہور ہے جب اسکے قبیلہ کے لوگ قید ہو کر حضرتؐ کی خدمت میں آتے تو ان میں حاتم طائی کی بیٹی بھی تھی۔ اس نے آپ کی خدمت میں عرض کی کہ "آپ مناسب سمجھیں تو ہمیں رہا کر دیں اور عرب قبیلوں کو ہم پر ہنسنے کا موقعہ نہ دیں میں اپنی جماعت کے سردار کی بیٹی ہوں۔ میرا باپ اپنی قوم کی حمایت کرتا تھا۔ قیدیوں کو چھوڑ دیا کرتا تھا۔ بھوکوں کا پیٹ بھرتا تھا انہیں کھانا کھلاتا تھا۔ ننگوں کو کپڑا پہناتا تھا۔ مسافروں کی خدمت کیا کرتا تھا۔ جو حاجتمند شخص اس کے پاس آتا تھا۔ مقدور کے موافق اسکی حاجت پوری کیا کرتا تھا۔ اس کا نام حاتم طائی تھا۔"

آپ نے یہ فرمایا یہ ایمانداروں کی صفتیں ہیں۔ تیرا باپ چونکہ ایسا تھا اس لئے ہم نے تجھ پر رحم کیا۔ تیری قوم کو چھوڑا۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ اچھے اخلاق کو دوست رکھتا ہے [redacted] تیرا باپ بھی اچھے اخلاق کو پسند کرتا تھا۔ یہ سن کر ایک صحابی اٹھ کھڑے ہوئے اور عرض کی کہ "یا رسول اللہ! کیا اللہ تعالےٰ نیک اخلاق کو دوست رکھتا ہے" آپ نے فرمایا "مجھے اس پاک خدا کی قسم ہے جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ بہشت میں وہی داخل ہو گا جو نیک اخلاق کو

دوست رکھتا ہوگا۔

جو کوئی مل جاتا حضورؐ اسے پہلے خود سلام کرتے۔ دوسرے شخص کے سلام کا انتظار نہیں کرتے تھے۔ افسوس ہے کہ آج کل کے مسلمان اس بات کے خواہشمند رہتے ہیں کہ پہلے کوئی دوسرا انکو سلام کرے حالانکہ پہلے سلام کرنے والا ثواب کا مستحق ہوتا ہے۔

آپ مصافحہ کے لئے خود پیش دستی کرتے۔ اسلام میں مصافحہ بھی محبت و اخلاص بڑھانے کے لئے ایک نیک طریقہ ہے اس لئے آپ ہر ایک امیر و غریب سے مصافحہ کے لئے خود ہاتھ بڑھاتے اور جب تک وہ شخص خود اپنا ہاتھ نہ کھینچ لیتا تب تک آپ اپنے ہاتھ کو نہیں چھڑاتے تھے۔

ایک صحابی نے اپنے بیٹے کو خدمتِ نبوی میں بھیجنا چاہا اس نے باپ سے پوچھا کہ "اگر حضور اندر تشریف فرما ہوں تو میں کیونکر آواز دوں؟ باپ نے کہا جانِ پدر، یہ شانِ نبوت دربارِ قیصر و کسریٰ نہیں ہے۔ حضورؐ کی ذات غرور و تکبر سے بلند ہے۔

آپ کسی کی بات کبھی قطع نہ فرماتے تھے اگر نمازِ نفل میں ہوتے اور کوئی شخص پاس آ بیٹھتا تو نماز کو مختصر فرما دیتے تھے اور اسکی ضرورت کو پورا کرکے پھر نماز میں مشغول ہو جاتے۔

ایک شخص نے آپ کو "یا خیر البریہ" (بہترین خلائق) کہا۔ حضور نے ارشاد فرمایا ذٰلکَ اِبْرَاہِیْمُ (یہ شان تو ابراہیم کی ہے) آپ کسی کی دل شکنی نہیں فرماتے تھے۔ اور غلطی اور خطا سے درگزر کرتے تھے۔ امیروں کی نسبت

غریبوں کی طرف زیادہ رغبت تھی۔ حضورؐ کے نزدیک وہی بڑا تھا جو تقوی میں بڑا ہو۔ جب کوئی آپ سے ملتا تو جب تک وہ چلا نہ جاتا تب تک آپ کھڑے رہتے۔ اگر کوئی آپ کا ہاتھ پکڑ لیتا تو آپ چھڑانے کی کوشش نہ کرتے یہاں تک کہ وہ خود ہی چھوڑ دیتا۔

سجدہ تعظیمی چونکہ انسانی حرمت کا دشمن تھا اس لئے عام طور پر اس کی ممانعت فرمادی اور تمام مسلمانوں کو سجدہ تعظیمی سے روک دیا۔ چنانچہ انس بن مالکؓ کہتے ہیں ایک مرتبہ حضرت صدیق اکبرؓ نے عرض کیا کہ ہم پر آپ کی تعظیم زیادہ واجب ہے۔ ہم بھی آپ کو سجدہ کریں؟ آپ نے فرمایا کہ "سوائے خدا کے اور کسی کو سجدہ نہ کرنا چاہیئے۔ نیز آپ نے فرمایا:۔

لَعَنَ اللّٰهُ الْيَهُوْدَ وَالنَّصَارٰى	خدائے تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ پر لعنت
اِتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِيَاءِهِمْ مَسَاجِدَ	کی۔ انہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو
(بخاری شریف)	مسجدیں بنا لیا یعنی قبروں کو سجدہ کرنے لگے

ایک دفعہ آپ نے فرمایا کہ "نوشیروان اگرچہ مسلمان نہیں ہے مگر چونکہ عادل ہے اس لئے میں اسکی تعظیم کے لئے کھڑا ہو جاؤنگا۔ یعنی استقبال کے لیے جاؤنگا۔

مختصر یہ کہ آپ ہر ایک شخص کا اس کی حیثیت کے موافق ادب و احترام کرتے تھے اور خود اپنی نسبت سید و آقا کے الفاظ سننا پسند نہیں فرماتے تھے یہ وہ پاک اخلاق، عادات اور خصائل تھے۔ جن کی وجہ سے حضورؐ نے اپنی قوم میں خود داری، عزت و احترام کا مادہ کوٹ کوٹ کر بھر دیا اور قومی عزت

کا وہ پاک نمونہ دنیا کو دکھلا دیا کہ آج تک مخالفین حیران ہیں کہ ان لوگوں میں اس قدر مساوات کا جذبہ کہاں سے آگیا؟

قریش جن کے غرور کا یہ عالم تھا کہ جنگ بدر میں انہوں نے انصار کے مقابلے سے اس بنا پر انکار کر دیا تھا۔ کیونکہ انصار پر ہاتھ اٹھانا بھی انکے لئے عار تھا۔ لیکن ایک وقت آیا جب وہ حبش اور ایران کے زر خرید غلاموں کی برابر کر دیے گئے۔

ابوسفیان جو کفار قریش کا سردار رہ چکا تھا اور جس کو خود رسول اللہؐ کے ہم مقابل ہونے کا دعویٰ تھا۔ جب اسلام لایا تو اس کو بلالؓ و صہیبؓ کا ہم رتبہ ہو کر رہنا پڑا حالانکہ بلالؓ و صہیبؓ دونوں زر خرید غلام تھے۔

جبلہ بن الایہم ایک مشہور بادشاہ تھا۔ جب وہ اسلام لایا تو اس نے چاہا کہ ایک عامی کے مقابلہ میں اسکی فوقیت تسلیم کی جاتی لیکن حضرت فاروقؓ نے جو اسلام کے اصلی تصویر تھے گوارا نہ کیا اور وہ اس ضد پر مرتد ہو کر عیسائیوں سے جا کر مل گیا۔

مسلمانو! خدارا انصاف کرو۔ آج کل کے ایمان و اسلام کے مدعی اور حضور انورؐ کے اتباع و اطاعت اور عشق و محبت کے دعویٰ کرنے والے کس قدر اسوۂ حسنہ سے دور جا پڑے ہیں۔ بڑے بڑے پیر اور عالموں کو دیکھا جاتا ہے کہ وہ ادب و احترام سے اپنے متوسلین اور معتقدین کے نام لینا گناہ سمجھتے ہیں۔ خطابت کے وقت "تو" کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے حالانکہ خدا کی مخلوق میں سے کسی انسان کو حقیر و ذلیل سمجھنا بہت بڑا جرم و گناہ ہے

افسوس بہت سے مسلمان اس حقیقت سے غافل ہیں کہ ادب کس قدر طہارت وپاکیزگی اور محبت و مودّت دلوں میں پیدا کرتا ہے۔ وہ اپنے نفسوں کو مغالطہ دیتے ہیں جب خیال کرتے ہیں یا منہ سے کہتے ہیں کہ وہ آپس میں بے تکلف دوست ہیں۔ اگر وہ حضرت نبی کریمؐ کے متبع ہیں اور انکو اس اسوۂ حسنہ کی پیروی کا دعویٰ ہے یا وہ دنیا میں اسلام کی پاک تعلیم کا نمونہ بننا چاہتے ہیں تو آپس میں چھوٹے بڑے کا امتیاز اٹھادیں۔ ذات پات اور شریف و رذیل کے ناپاک خیال کو پاؤں تلے مسل ڈالیں۔ ہر ایک کے ساتھ ادب و احترام سے پیش آئیں۔ حتیٰ کے غیبت میں بھی ادب سے نام لیں۔ اور ذکر کریں۔ اس وقت خدائے پاک و برتر اپنے وعدہ کے مطابق نَزَعْنَا مَا فِي صُدُورِهِم مِّنْ غِلٍّ (ہم نے انکے دلوں کو تمام کدورتوں سے پاک کر دیا ہے) کے مصداق انہیں بنا دے گا۔

خدائے رحیم و کریم ہم تمام مسلمانوں کو اس اسوۂ حسنہ پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے اور اسلام پاک کے شیریں اور مصفا چشمے سے دور افتادہ قوموں کو اس کے قریب لائے۔ آمین ثم آمین۔

عبادت و ریاضت

حضورِ انورؐ کی بعثت اور عقائد کا اظہارِ عبادت سے ہوتا ہے عبادت کرنے سے بندہ کا تعلق اپنے خالق و مالک سے ظاہر ہوتا ہے جو آدمی عبادت کرتا ہے وہ اس بات کا ثبوت دیتا ہے کہ اس کو اپنے مالک ربّ العالمین

سے سچا تعلق ہے۔ اور نیز عبادت ایک بیج کے مانند ہے جس کا اثر روح اور جسم دونوں پر پڑتا ہے۔ عبادت جس قدر زیادہ کی جاتی ہے۔ اسی قدر وہ بیج پھلتا پھولتا ہے اور ثمردار ہوتا ہے۔ انسان جب تک عملی طور پر عبادت اور بجا آوری احکام الٰہی سے یہ ثابت نہ کردے کہ وہ حقیقت میں خدا پر سچا اور پکا ایمان رکھتا ہے۔ اس وقت تک وہ فیوض و برکات حاصل نہیں ہو سکتے ہیں جو مقربوں کو ملا کرتے ہیں۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی اسے پسند نہیں کیا کہ کوئی شخص دنیا کے تمام ضروری کاموں سے کنارہ کش ہو کر صرف تسبیح لے کر بیٹھ جائے۔ حضور انور اور آپ کے صحابہ کرام نے اپنے برگزیدہ طرز عمل سے دکھا دیا کہ فرائض انسانی کیا ہیں۔ چنانچہ انکو میدان جنگ میں دیکھنے والا کبھی خیال بھی نہیں کر سکتا تھا۔ کہ یہ لوگ مسجدوں میں خشوع و خضوع سے نمازیں پڑھتے ہوں گے اور اس وقت ایسے مستغرق ہوں گے کہ کاٹو تو ایک قطرہ خون نہ نکلے اور نمازیں انکو دیکھنے والا یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ یہ ایسے تیغ زن اور بہادر ہو سکتے ہیں جو اپنی تلوار سے ساری دنیا کو لرزہ براندام کر دیں۔ غرض آپ اور آپ کے ساتھی ہر کام میں بے حد مستعد اور ہوشیار تھے۔ جو کرتے تھے دل سے اور خدائے پاک کے لئے کرتے تھے۔

حضور انور (فداہ روحی) کی حقیقی تصویر ہر وقت مومن کے سامنے ہے جب وہ خدا کا پاک کلام قرآن کریم لے کر پڑھتا ہے تو قرآن حکیم پڑھنے سے آپ کی مبارک زندگی آنکھوں کے سامنے آجاتی ہے اور آپ کی حقیقی

لائف کے واقعات کا ایک نقشہ قاری کے دل کے سامنے کھنچ جاتا ہے جس سے اسکو صاف نظر آتا ہے کہ میں خدائے قدوس کی طرح ایک عظیم الشان اور کامل انسان اور بندا کو دیکھ رہا ہوں ۔ اور اس کو اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ خدا کی طرح انسانِ کامل کے درجہ تک بھی پہنچنا محال ہے۔

حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم کا خاص شغل نماز تھا۔ یوں تو آپ کی زندگی کا ایک لمحہ بھی ایسا نہیں تھا جو ذکر اللہ اور وظیفہ سے خالی ہو آپ کا ذرہ بھر بھی ذکر اللہ تھا۔ آپ بیویوں کے ساتھ معاشرت کرنا بھی عبادتِ الٰہی تھا آپ کا مہمانوں کے ساتھ کشادہ پیشانی سے پیش آنا بھی یاد الٰہی تھا۔ اور انکی مہمانوازی بھی ذکر اللہ تھی۔ غرض آپ کا ہر فعل و عمل ذکر اللہ وعبادت وریاضت میں داخل تھا۔

آپ کی مقدس اور مطہر زندگی سے انسان کو ایک تسلی دینے والا سبق یہ بھی ملتا ہے کہ جو کام محض خدا کے لئے اور خدا کی تعمیل حکم میں کیا جاتا ہے وہ بھی ذکر اللہ اور عبادت وریاضت ہی میں شمار ہوتا ہے کاش کوئی سوچنے والا سوچے اور سعید روح غور کرے۔

حضورِ انور صلے اللہ علیہ وسلم چونکہ اخلاق کے کامل معلم تھے اور اچھی طرح جانتے تھے کہ خدا کی درستی خداترسی اور نرم دلی سے پیدا ہوتی ہے اس لئے آپ نے نماز کی غایت تاکید فرمائی اور عملی طور پر اس کا مکمل نمونہ بن کر دکھا دیا۔ بلکہ اتقا و پرہیزگاری ہی کو جو اخلاق کا زبدہ خلاصہ ہے مسلمانوں کے لئے موجب عزت وعظمت قرار دیا۔ دنیاوی جاہ وحشمت

کو ہیچ فرمایا۔ دولت وجاہ کی کوئی توقیر نہیں کی۔ کیونکہ دولت مندی اور جاہ وحشمت دنیا جب کہ غیر متقی ہاتھوں میں ہے۔ تمام بدیوں اور بداخلاقیوں کی جڑ ہے اور فساد وشرارت کا گھر۔

آپ کی عبادت کی یہ کیفیت تھی کہ بسا اوقات صرف دوگانہ نفل میں ساری رات ختم کر دیتے تھے اور اس طرح قیام فرماتے تھے کہ "پائے مبارک درم کر جاتے تھے اور بیشتر راتوں میں ذکر ونماز میں بیدار رہ کر بسر کرتے تھے

حضرت مغیرہ کہتے کہ آپ کی دونوں پنڈلیاں کھڑے کھڑے ورم کر جاتی تھیں" (بخاری شریف)

عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ" میں نے ایک رات آپ کے ساتھ نماز تہجد پڑھی تو آپ برابر کھڑے رہے یہاں تک کہ میں بالکل تھک گیا (بخاری)

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ" حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بعض وقت نماز تہجد کو اس قدر طول دیتے تھے کہ آپ کے قدم مبارک ورم کر جاتے تھے لوگوں نے عرض کیا کہ" ہمارے ماں باپ آپ پر قربان ہوں آپ اتنی تکلیف کیوں اٹھاتے ہیں؟ آپ تو پاک ہیں"۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ" میں بھی ایک بندہ ہوں۔ کیا خدائے پاک کی شکر گزاری چھوڑ دوں؟" (بخاری شریف)

حضرت صدیقہ فرماتی ہیں کہ جب آپ کے پیر بہت سوج جاتے تو آپ بیٹھ جاتے تھے اور جب رکوع کرنا چاہتے تو کھڑے ہو کر اور کچھ پڑھ کر رکوع کرتے تھے (بخاری شریف)

ایک روایت میں آیا ہے کہ اللہ پاک کے خوف سے آپ کے سینے سے نماز میں ایسے رونے کی آواز آتی تھی۔ کہ جیسے ہانڈی جوش کرتی ہے۔ (نسائی شریف)

نماز کا اصل مقصد خشوع و خضوع آپ جب کسی سے اس کا ظہور ہوتا ہوا نہ دیکھتے تھے۔ تو اس کو تنبیہ فرماتے۔ ایک بار ایک شخص نے نہایت عجلت کے ساتھ نماز پڑھی۔ نماز پڑھ چکا تو آپ نے فرمایا "نماز کو پھر دھراؤ تم نے نماز پڑھی ہی نہیں" اس نے تین بار نماز دھرائی اور آپ نے تینوں بار لوٹا۔ آخر میں اس نے عرض کیا کہ "اب میں اس سے بہتر نماز نہیں پڑھ سکتا" آپ نے تکبیر۔ قرأت۔ رکوع۔ سجود قیام وقعود کے وہ طریقے بتائے جن سے اطمینان سکون وقار اور اعتدال کا اظہار ہوتا تھا (بخاری شریف)

آپ نماز کے سوا دیگر عبادات میں بھی حد سے زیادہ اہتمام وسعی فرماتے تھے علاوہ ماہِ رمضان کے اور دنوں میں بھی اکثر روزے رکھا کرتے تھے جن میں ایام بیض ماہِ ذی الحجہ و محرم ورجب اور یوم جمعہ۔ عرفہ و عاشورہ کے روزے خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔

مختصر یہ کہ آپ روزے جیسی سخت عبادت سے کبھی جی نہیں چراتے تھے بلکہ محبت و شوق سے فاقہ کشی کی سختی برداشت کرتے تھے۔ روزے سے جی چرانے والے غور کریں اور اپنے نبی کی حالت کو دیکھ کر سبق سیکھیں۔

باوجودیکہ آپ کی عبادت میں خشوع وخضوع واخلاص اور سچا الٰہی تعلق ہوتا تھا اور ریا ونمود سے بالکل پاک ہوتی تھی اور آپ لیسے

استغراق و محویت سے ادا فرماتے تھے کہ دیکھنے والے کو معلوم ہوتا تھا کہ آپ ایک بے حس اور بے جان بت ہیں مگر پھر بھی اگر کوئی ایسی حالت میں آپ کی خدمتِ اقدس میں آجاتا تو اپنی نماز کو مختصر کر دیتے اور پوچھتے "تم کو مجھ سے کچھ کام ہو تو کہو"۔

آپ عبادات میں آسانی کی تعلیم بیان کرتے تھے۔ حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ حضورِ انورؐ نے فرمایا "بے شک (اسلام کا) دین آسان ہے اور دین میں جو سختی کرے گا۔ اس پر غالب آتے گا۔ (بخاری شریف)

مطلب یہ ہے کہ آخیر میں [redacted] تھک کر خود عاجز ہو جائے گا۔ اور نیک عمل چھوڑنا پڑے گا۔ اس لئے اتنی عبادت کرنا چاہیے جو آسانی سے ساتھ ہو سکے۔

بعض لوگ جب امامت کرتے تھے تو نماز میں طول دیتے تھے جس سے کاروباری اور ضعیف لوگ گھبرا جاتے تھے۔ ایک شخص نے اسی بناء پر امام کی شکایت کی آپ کو معمول سے زیادہ غصہ آگیا۔ اور فرمایا "تم لوگوں کو مذہب سے متنفر کر رہے ہو۔ امام کو نماز تخفیف کرنی چاہیے۔ کیونکہ ان میں مریض ضعیف کاروباری ہر قسم کے لوگ ہوتے ہیں (بخاری شریف)

آپ عبادات میں اس عمل کو پسند فرماتے تھے جو ہمیشہ کیا جاتے چنانچہ حضرت صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ "ایک دن آپ جب میرے پاس تشریف لائے تو میرے گھر میں ایک عورت بیٹھی ہوئی تھی۔ آپ نے دریافت فرمایا "یہ کون تھے!" میں نے عرض کیا فلاں عورت ہے اور اس کی نماز

کا حال بیان کرنے لگی کہ ساری رات سوتی نہیں عبادت میں گزار دیتی ہے آپ نے سن کر فرمایا:۔

مه عليكم بما تطيقون فوالله لا يمل الله حتى تملوا وكان احب الدين اليه ما دام عليه صاحبه (بخاری شریف)

بس بس! وہ کام کرو جو ہمیشہ کر سکو کیونکہ قسم خدا کی اللہ تو اب دینے سے تھکے گا نہیں تم ہی تھک جاؤ گے حضرت صدیقہ فرماتی ہیں کہ آپ کو وہ عمل بہت پسند ہے جسکا کرنے والا اس کو ہمیشہ کرے۔

ماسوائے نماز۔ روزہ، حج وغیرہ احکام الٰہی کی بجا آوری کے آپ ہر وقت خدا کی یاد اور اس کی عبادت اور اس کے ذکر میں مشغول رہتے تھے۔ آپ کا کوئی کام خواہ وہ کسی طرح کا ہو ایسا نہ ہوتا تھا جس میں آپ اللہ تعالےٰ کو یاد نہ کرتے ہوں۔ دعویٰ کرنا آسان ہے مگر کرکے دکھانا اور اس کا ثبوت بہم پہنچانا مشکل ہے۔

جس قدر ہادیانِ دین اور مصلحان قوم دنیا میں پیدا ہوئے ہیں انکے مقابلہ میں ہم دعوے سے کہہ سکتے ہیں کہ اس خاص خصوصیت میں کوئی انسان آج تک آپ کے مقابلے کا پیدا نہیں ہوا کہ جس نے اپنی زندگی کے ہر کام میں اپنے خالق و مالک کو اس قدر یاد کیا ہو اور اسکے ذکر کا اس قدر اہتمام کیا ہو جس قدر آپ نے کیا۔

مثلاً جب آپ کھانا کھانے بیٹھتے بِسْمِ اللّٰهِ وَعَلٰى بَرَكَةِ اللّٰهِ " پڑھتے اور اپنے ہاتھ سے کھانا تناول فرماتے جب کھانے سے فارغ

ہوتے تو پڑھتے:۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَجَعَلَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ۔ (ترمذی وابن ماجہ) تمام تعریفیں اس کے لئے ہیں کہ جس نے ہم کو کھانا کھلایا اور پانی پلایا اور مسلمان کیا۔

اور حضرت ابن عباسؓ سے یہ بھی دعا کھانے کے بعد آئی ہے۔

اَللّٰھُمَّ بَارِکْ لَنَا فِیْہِ وَاَطْعِمْنَا خَیْرًا مِّنْہُ۔ (مشکوٰۃ شریف) اے اللہ اس کھانے میں ہم کو برکت عطا فرما اور اس سے اچھا کھانا ہم کو کھلا۔

جب دودھ پیتے تو پڑھتے:۔

اَللّٰھُمَّ بَارِکْ لَنَا فِیْہِ وَزِدْنَا مِنْہُ۔ (فی الحدیث) اے اللہ اس دودھ میں ہم کو برکت عطا فرما اور اس میں ہم کو زیادتی دے۔

جب سوتے تو دعا فرماتے رَبِّ اَسْلَمْتُ نَفْسِیْ جاگتے تو فرماتے:۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَحْیَانِیْ بَعْدَ مَا اَمَاتَنِیْ۔ تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے مرنے کے بعد مجھ کو پھر زندہ کیا۔

چاند دیکھتے تو فرماتے کہ اَللّٰھُمَّ اَھِلَّنَا بِالْخَیْرِ وَالْعَافِیَۃِ نئے شہر میں داخل ہوتے تو یہ دعا فرماتے کہ اے خدا اس شہر کی برکتوں سے مجھے حصہ دیجیو اور اس کی برائیوں سے محفوظ رکھیو۔

جائے ضرورت میں جاتے تو بھی دعا فرماتے:۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ

مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ (متفق علیہ) باہر نکلتے تو غُفْرَانَكَ (الٰہی تیری بخشش چاہتا ہوں) فرماتے۔

اس کے علاوہ چھینک آتی تو ذکر اللہ کرتے۔ حتٰی کہ عورتوں کے ساتھ مباشرت تک میں ذکر الٰہی کو لازمی قرار دیا عموماً جو دعا آپ کی زبان مبارک پر ہمیشہ رہتی تھی وہ یہ تھی۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ الْعَفْوَ وَالْعَافِیَۃَ۔ غرض کوئی موقع کوئی کام ایسا نہ تھا کہ آپ خدائے پاک کے ذکر سے غافل ہوتے ہوں۔ اگر ان تمام دعاؤں کو لکھا جائے تو ایک ضخیم کتاب درکار ہے۔

مختصر یہ کہ آپ کا چلنا، پھرنا، اٹھنا، بیٹھنا، سونا، جاگنا کھانا، پینا، رہنا، سہنا، سب عبادت تھا۔ آپ کی تمام زندگی عبادت میں گزری۔

اللہ تعالےٰ ہم سب کو توفیق عنایت فرماتے کہ آپ کے اخلاق سے پورا پورا سبق حاصل کریں تاکہ ہمسایہ قومیں جو روحانیت کی پیاسی ہیں وہ بھی ہم کو اسلامی صداقت اور سرکار رسالت کے اخلاق کا زندہ نمونہ دیکھ کر اسلامی چشمہ حیات سے سیراب ہونے کے لئے آگے بڑھیں اور یہ اسی حالت میں ممکن ہے کہ خود اس پاک اور مصفٰے اور شیریں چشمۂ سنّت نبویؐ کے قریب ہو کر اس سے بہرہ اور مستفید ہوں۔

مزاح و تبسم

اس سے قبل لکھا جا چکا ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی عمر بھر کسی کو گالی نہیں دی اور کبھی کوئی فحش کلمہ آپ کی زبان سے نہیں سنا گیا۔

آپ صدق اور راست گوئی کی نہایت پابندی فرماتے تھے۔ جھوٹ بولنے والوں اور منافقوں سے سخت بیزار رہتے تھے۔ البتہ خوش طبعی اور شگفتہ مزاجی آپ کو ضرور مرغوب تھی اس لئے کبھی کبھی آپ مزاح (مذاق) بھی فرمایا کرتے۔ اس میں بھی راستی اور سچائی کا خیال رکھتے تھے نہ کہ انکو حقیر اور ذلیل کرنے کی نیت سے

بعض لوگ مزاح و خوش طبعی کو تقویٰ اور تقدس کے خلاف سمجھتے ہیں مگر حقیقت حال اس کے خلاف ہے مثلاً ایک شخص نماز پڑھ کر کسی دیہاتی سے اس کے اہل وعیال اور کاروبار کے استفسار میں مشغول ہو جائے اور کھیتی باڑی کے حالات پوچھ کر اس سے ہمدردی ظاہر کرے اور دوسرا شخص لا الہ الا اللہ کی تسبیح میں مصروف ہو تو بظاہر یہ دوسرا شخص افضل اور اکمل معلوم ہوتا ہے۔ لیکن ذرا غور کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ اگر پہلے شخص کی نیت درست ہے یعنی مسافر کے انبساط خاطر کے لئے ایسا کر رہا ہے یا کسی ہمدردی کی نیت سے تو یہ باتیں زیادہ افضل اور مقبول ہیں۔ کیونکہ ہر عمل اپنے آثار اور

غایت کے اعتبار سے افضل ہوتا ہے۔ پس ہر عمل کی غایت دیکھنا چاہئے اور یہی عوام الناس کی غلطی ہے کہ وہ اس کو نہیں سمجھتے۔

مشہور ہے کہ ایک آدمی ایک بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوا وہ بزرگ بہت دیر تک اس سے باتیں کرتے رہے اس شخص نے جب اجازت مانگی تو رخصت کے وقت عرض کیا کہ حضرت آج میں نے آپ کی عبادت میں بہت حرج کیا وہ بزرگ فرمانے لگے کہ "بندہ خدا کیا کہا کیا نماز روزہ ہی عبادت ہے۔ اور دوستوں کا جی خوش کرنا عبادت نہیں"

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی صحابہ کے ساتھ اسی قاعدہ کے مطابق عمل پیرا ہوتے تھے اور حدِ جواز تک جس قسم کی باتیں صحابہؓ فرماتے آپ انکے ساتھ شریک رہتے تھے۔ آپ کا یہ معمول تھا کہ کھانے پینے حتیٰ کہ ایامِ جاہلیت کے تذکروں میں بھی صحابہ کے ساتھ شامل رہتے تھے۔ اوران لوگوں کے تذکروں کو سن کر آپ تبسم فرماتے تھے۔ آپ کا تبسم "تبسم" سے زیادہ نہ ہوتا تھا۔ اور کبھی کسی نے آپ کی آواز قہقہہ نہیں سنی، ہنسی تو ان لوگوں کو آسکتی ہے جو بالکل بے فکر ہوں مگر اللہ والوں کو بے فکری کہاں!

البتہ دوسروں کی خاطر سے کبھی کبھی ہنس دیتے تھے۔ آپ کا تبسمؐ فرمانا اور قہقہہ کی آواز نکالنا بھی خوف خدا کی وجہ سے تھا۔ چنانچہ آپ خود ہی اس کی نسبت فرماتے ہیں کہ "میں کیوں کر چین سے رہوں حالانکہ صاحبِ صور تیار کھڑا ہے کہ اب حکم ہوا اور صور پھونک دے

آپ کی یہ حالت تھی:۔

مرا در منزل جاناں چہ امن و عیش چوں ہر دم جرس فریاد می دارد کہ بر بندید محملہا

یہی وجہ تھی کہ آپ کی نسبت شمائل ترمذی میں لکھا ہے:۔

"کان دائم الفکرة متواصل الاحزان" آپ ہمیشہ متفکر رہتے اور برابر مغموم نظر آتے"۔ اور حقیقت میں یہ بالکل سچ ہے کہ جب کسی وجہ سے غم کا غلبہ ہوتا ہے تو ہنسی کی آواز نہیں نکلتی اگرچہ کم و بیش تبسم کی حالت ہو جاتے اور یہ روزمرہ کا تجربہ اور مشاہدہ ہے پس حضور انور کا تبسم جو کچھ تھا وہ محض اس لئے تھا کہ آپ کے ساتھ مصالح خلق کے وابستہ تھے اگر یہ بات نہ ہوتی تو شاید تبسم بھی نہ ہوتا اور مزاح کی یہ حالت تھی کہ وہ بھی عوام کی حالت کے بالکل خلاف تھا جس کی نسبت حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

لَا تُمَارِ اَخَاكَ وَلَا تُمَازِحْهُ وَلَا تَعِدْهُ مَوْعِدًا فَتُخْلِفَهُ ۔ (ترمذی شریف)

اپنے بھائی کے ساتھ خصومت مت رکھو اور ایسا مزاح (مذاق) نہ کرو کہ جس سے اس کو ایذا پہنچے اور ایسا وعدہ نہ کرو کہ جس وعدہ کو تم بعد میں وفا نہ کرسکو۔

آپ کے مزاج کا حال مندرجہ ذیل مثالوں سے واضح ہو جائیگا۔

ایک بار حضرت نبی کریمؐ اور حضرت علیؓ کھجوریں کھا رہے تھے آپ نے اپنی کھجوروں کی گٹھلیاں حضرت علیؓ کی گٹھلیوں میں ملا دیں اور فرمایا

"دیکھو علیؓ! تم نے مجھ سے زیادہ کھجوریں کھائی ہیں"۔ حضرت علیؓ نے عرض کیا کہ "حضرت! میں آپ کی طرح گٹھلیوں سمیت کھجوریں نہیں کھاتا رہا۔
(اکثر کتب سیر و حدیث)

ایک دفعہ ایک بڑھیا نے آپ کی خدمتِ اقدس میں عرض کیا کہ۔
"آپ دعا فرمائیں کہ خدائے تعالیٰ مجھے جنت نصیب کرے آپ نے فرمایا۔ لا تدخل الجنۃ عجوز۔ کوئی بڑھیا جنت میں نہیں جائے گی" بیچاری بڑھیا نے حیران ہو کر پوچھا کہ کیوں بڑھیا عورتیں بہشت میں نہیں جائیں گی؟ بڑھیا قرآن خواں تھی اس لئے آپ نے اس کے جواب میں فرمایا۔ اَمَا تَقْرَئِیْنَ الْقُرْاٰنَ اِنَّا اَنْشَاْ نٰھُنَّ اِنْشَآءً فَجَعَلْنَا ھُنَّ اَبْکَارًا (رواہ رزین) کیا تو نے قرآن میں نہیں پڑھا اور تجھے معلوم نہیں کہ خدائے تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ بہشتی عورتوں کو ہم نا کتخدا پیدا کریں گے وہاں بوڑھی کوئی نہ ہوگی بلکہ سب جوان ہونگی۔

ایک دن ایک شخص سے آپ نے پوچھا کہ "بتلاؤ تمہارے ماموں کی بہن تمہاری کیا لگی؟ اس سادہ دل نے سر نیچے جھکا لیا اور سوچنے لگا۔ آپ مسکرائے اور فرمایا کہ "ہوش کر کیا تجھے تیری ماں بھول گئی۔

ایک دفعہ ایک موقعہ پر جب کہ آپ تمام صحابہ میں گھوڑے اور اونٹ (سواری کے جانور) تقسیم فرما رہے تھے۔ ایک صحابی سے فرمایا کہ اس کو بھی اونٹ کا بچہ دیدو"۔ اِنِّیْ حَامِلُكَ عَلٰی وَلَدِ نَاقَۃٍ اس نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں اونٹ کا بچہ کیا کرونگا۔ آپ نے ہنس کر

فرمایا وَھَلْ تَلِدُ الْاِبِلُ اِلَّا النُّوْقُ یعنی ہر ایک بڑا اونٹ ہی کا بچہ ہوتا ہے۔ (ترمذی وابوداؤد)

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کہا یَاذَا الْاُذُنَیْنِ اے صاحب دوگوشن (ترمذی، ابوداؤد)

کوئی ایسا مذاق کہ جو کسی دوسرے کی اہانت کرے یا ہتک عزت کا باعث ہو آپ کو سخت ناپسند تھا اسی لئے آپ نے فرمایا

لا یبلغ العبد صریح الایمان

حتی یدع المزاح فی — خالص ایمان تک آدمی نہیں پہنچتا

الکذب (ترغیب الترھیب) — جب تک مزاح (ٹھٹھہ) اور جھوٹ

کو نہ چھوڑے (ترغیب وترغیب امام منذری ؒ)

مسلمانوں کو مزاح میں بھی سرکار مآب صلے اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرنی چاہیئے۔ اور گندے اور محش مذاق اور دل لگی سے توبہ کرنی چاہیئے۔

خداوند کریم سب مسلمانوں کو اس اسوۂ حسنہ کی اتباع کی توفیق دے۔ آمین!!

رسولؐ اللہ غیروں کی نظر میں

دنیا میں سچا مذہب اور سچا رسول صرف وہی ہے جس کی سچائی پاکبازی اور حق پرستی کے معترف نہ صرف اس کے پیرو ہوں بلکہ اس مذہب کے مخالف بھی اس کی صداقت کا اعتراف کریں۔ رسولؐ مقبول کی ذات اقدس نے غیر مذہب کے رہنماؤں پر کس قدر گہرا اثر کیا ہے۔ اس کا اندازہ مندرجہ ذیل مسیحی علماء کی تحریروں سے ہوسکتا ہے۔

باسورتھا سمتھ اپنی کتاب "محمد اینڈ محمدنزم" میں لکھتے ہیں "تمام مذاہب کے ابتدائی مرحلوں کے طے کرنے والوں کے متعلق ہمارا علم بہت محدود ہے۔ صرف انکے رفقاء کے متعلق ہمیں کچھ معلومات بہم پہنچی ہے زردشت اور کنفیوشش کے بارے میں ہم سولن اور سقراط سے بھی کم واقفیت رکھتے ہیں۔ موسیٰ اور بدھ کی نسبت ہمیں ایمبروز اور اگسٹائن سے بھی کم حالات معلوم ہیں۔ عیسیٰ کی زندگی کے متعلق ہمیں بہت ہی کم واقفیت ہے ہمیں انکی خانگی زندگی۔ آغاز وحی۔ مراحلِ رسالت کے متعلق کچھ نہیں معلوم لیکن اسلام میں ایسا نہیں ہے یہاں بجائے تاریکی اور بعید از فہم واقعات کے مکمل تاریخ موجود ہے۔

وہی محقق دوسری جگہ لکھتا ہے۔ اس زمانے کے واقعات

پر نظر کرتے ہوتے محمد کے مقلدین کی غیر محدود عزت [redacted] یکھتے ہوتے اور عیسائیوں کے پادریوں سے مقابلہ کرتے ہوتے میرے خیال میں محمد کے متعلق سب سے زیادہ تعجب خیز یہ امر تھا کہ انہوں نے قوت معجزہ کا دعویٰ نہیں کیا جو کچھ [redacted]ہ کر سکتے تھے [redacted] ہی کہتے تھے محمدؐ نے آخری وقت تک وہی خطاب رکھا جو شروع سے انہوں نے اختیار کیا تھا اور مجھے یقین ہے کہ فلسفہ اور عیسویت ایک دن اتفاق کامل کے ساتھ محمدؐ کی رسالت کو تسلیم کرنے پر مجبور ہوں گے۔

الگزنڈر راس اپنی تاریخ ہدایتِ عالم میں بیان کرتا ہے عیسائیوں کے درمیان فضول مسلسل مباحثوں کی وجہ سے جو اختلافات نظر آتے ہیں۔ وہ دنیا میں مذہب عیسوی کی صداقت کو داغدار کرنے والے ہیں مذہب مسیح کی زندگی فسق و فجور سے بھری ہوئی ہے۔ لیکن مسلمان عام طور سے اپنے ارکانِ مذہب نہایت خلوص سے ادا کرتے ہیں اور معاملات میں بہت صاف اور منصف ہیں۔

اسناڈک ہرگرونج لکھتا ہے اسلام کے خلاف جو کچھ بیان کیا گیا جو الزام اس پر رکھے گئے ان کو یورپ نے بہت شوق سے سنا لیکن واقعہ یہ ہے کہ ہمارے آباء و اجداد نے تصویرِ دینِ اسلام کی پیش کی ہے وہ حقیقت کے خلاف ہے اور مجبوراً صرف اسلام کی خوبیوں کا اعتراف کیا جاتا ہے۔ خودا پنی

مرتبتی بہت سے یہودیوں اور عیسائیوں کے قبول اسلام میں وہ صداقت موجود ہے جو عیسائیت سے سبقت لے گئی ہے اور جو بالکل فطرت کے مطابق ہے۔ فی الحقیقت مسلمان اپنے اخلاق وصفات سے بسا اوقات ہم کو شرمندہ کر دیتے ہیں اور اسلام کے متعلق صحیح حالات معلوم کرنے کے بعد ہمارا تکبر و فخر خاک میں مل جاتا ہے۔

کارلائل نامی مصنف نے لکھا ہے" محمدؐ کی نسبت جو عقیدہ ہم لوگوں میں عام طور سے پایا جاتا تھا کہ وہ کاذب تھے۔ اور ان کا مذہب یکسر حماقت تھا۔ اب مٹتا جاتا ہے اور یہ الزامات ہماری روسیاہی کا باعث ہیں جب پوکاک نے مسٹر گروٹیس سے دریافت کیا کہ اس واقعہ کی کیا سند ہے جو تم نے بیان کیا ہے کہ محمدؐ نے ایک کبوتر پال رکھا تھا جو ان کے کان سے مٹر نکالا کرتا تھا اور جس کے باعث مشہور کر دیا گیا تھا کہ وحی لایا کرتا ہے؟ مسٹر گروٹیس نے جواب دیا کہ میرے پاس اس واقعہ کی صحت کا کوئی ثبوت نہیں ہے حقیقتاً اب وہ وقت آگیا ہے کہ ان فضول قصوں کو ترک کر دیا جائے، اس انسان (محمدؐ) نے جو نصیحتیں کی ہیں وہ بارہ سو برس سے ۵۰ کروڑ نفوس انسانی کے لئے باعثِ ہدایت ہیں ان کو بھی خدا نے ہماری طرح پیدا کیا ہے محمدؐ کے کلام پر بہ نسبت دیگر مذاہب کے زیادہ اعتقاد رکھنے والے ہیں۔ پھر کیا ہم خیال کر سکتے ہیں کہ جس مذہب کے تسلیم کرنے والے اتنی تعداد میں ہوں اور جس مذہب پر فدا ہونے کے لئے اتنی بڑی جماعت ہو وہ ایک شعبدہ

ہوئیں تو ایسا خیال نہیں کرسکتا اگر فریب کو دُنیا میں اس قدر ترقی ہوجائے تو پھر اس دُنیا کی نسبت کوئی کیا خیال قائم کریگا۔ میرے نزدیک اس سے زیادہ کوئی مفسدانہ خیال نہیں ہوسکتا کہ کسی بانیِ مذہب کے متعلق یہ اعتقاد قائم کیا جائے ایک جھوٹا شخص کبھی مذہب قائم نہیں کرسکتا۔ جس طرح اگر معمار چونے اینٹ مصالحہ کے استعمال سے ناواقف ہو اور صحت کے کے ساتھ اس کا استعمال نہ جانتا ہو کبھی مکان نہیں بنا سکتا اور اگر بنائے گا تو بہت جلد مٹی کا ڈھیر نظر آئے گا۔ اسی طرح ایک بانیِ مذہب جب تک قانونِ قدرت اور اس کے حصول سے واقف نہ ہو کبھی اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوسکتا۔ دُنیا میں ایسے لوگ بھی ہوئے ہیں جنہوں نے نبوت و رسالت کے نعوذ دروغ دعوے کئے لیکن تاریخ شاہد ہے کہ زمانہ نے ان کے فریب کو جلد ظاہر کردیا اور ان کو کامیابی حاصل نہ ہوئی۔"

نکولس لکھتا ہے کہ "محمدؐ" ایک عرصہ تک یکہ و تنہا ناقابلِ تسخیر مخالفوں کے خلاف ایک بلند خیال سے مغلوب ہو کر صداقت اور راستی کی تلقین کرتے رہے۔ تمام خطرات کا مقابلہ انہوں نے نہایت کامل عزم و استقلال کے ساتھ کیا اور اپنے دُشمنوں سے کہہ دیا کہ جو کچھ ان کے امکان میں ہو کر گزریں محمدؐ کی زندگی کا یہ شاندار واقعہ ایسا عجیب و غریب منظر پیش کرتا ہے کہ ہم ان کے ساتھ ہمدردی کرنے پر مجبور ہوجاتے ہیں صرف بیس سال کے زمانہ میں محمدؐ نے ہر قسم کی ترقی کی تخم ریزی کردی تھی اور یہی زمانہ مابعد میں عربوں کی سیاسی ترقی کا باعث ہوا۔

دُنیا میں جتنے انسان پیدا ہوتے ہیں ان میں سب سے زیادہ محمدؐ ہی نے اپنی قوم کو سدھارا۔ مجھے یقین ہے محمدؐ نہ ریاکار تھے نہ جھوٹے بلکہ وہ بے ریا، نہایت سچے پرجوش مصلح تھے اور ان پر بھی ویسی ہی سچی وحی آتی تھی جیسی عہدِ عتیق کے کسی پیغمبر کے پاس"۔

خُطباتِ جُمُعہ

خطبہ الوعظ الاعظم مترجم عربی مع اردو	علامہ ابن نباتہؒ	۳/۷۵
مجموعہ خطبہ علی مترجم عربی مع اردو	علامہ علیؒ	۰/۶۰

سِیَر و سوانح

ہماری شہنشاہی اردو مجلد	محمد عطار اللہ	۲/۶۲
مجالس المومنین اردو مجلد	محمد عطار اللہ	۳/۷۵
تاریخ مسلمانانِ عالم جلد اول (تاریخ انبیاء کرام)	مولانا قاری احمد	۶/۰۰
" " جلد دوم (تاریخ مصطفیٰ)	مولانا قاری احمد	۶/۰۰
" " جلد سوم (تاریخ خلفاء راشدینؓ)	مولانا قاری احمد	۶/۰۰
" " جلد چہارم (تاریخ بنو امیہ)	مولانا قاری احمد	۶/۰۰
سیرت الانبیاء اردو مجلد	علامہ ابن خلدونؒ	۷/۵۰
رحمت دو عالم مجلد	مولانا قاری احمد	۲/۲۵
تاریخ حبیب الٰہ	مفتی عنایت احمدؒ	۳/۰۰
سیرت الخلفاءؓ مجلد	شیخ محمد خضری بک	۴/۵۰
شہدائے اسلام مجلد	مولانا اخلاق حسین	۲/۲۵
شہادت حسینؓ مجلد	مفتی انتظام اللہ شہابی	۱/۵۰
حکایات صحابہؓ مجلد	مولانا محمد زکریا	۳/۰۰
تذکرۂ اولیاء ہند و پاکستان مجلد	مفتی ولی حسن	۲/۲۵
تذکرۂ مشائخ دیوبند مجلد	مفتی عزیز الرحمٰن	۵/۲۵
نیک بیبیاں (الصالحات)	مولانا اصغر حسینؒ	۰/۷۵
مومناتؓ مجلد	مولانا عبدالقیوم ندوی	۱/۸۷
تاریخ قرآن مجلد	مولانا عبدالقیوم ندوی	۲/۲۵
اعجاز القرآن	علامہ شبیر احمد عثمانیؒ	۰/۷۵
مشاہدات حرمین مجلد	مولانا قاری احمد	۲/۶۲
صبر ایوب علیہ السلام	ذکر الشہادتین ۰/۲۵	۱/۰۰

محمد سعید اینڈ سنز تاجران کتب قرآن محل مقابل مولوی مسافر خانہ کراچی

قرآن مجید و پنجسورے شریف

نور افزا قرآن مجید دو ترجمہ والا مع کامل تفسیر اردو عکسی۔ سائز طول ۱۰ انچ عرض ۷ انچ صفحات ۱۲۹۸
ترجمہ اوّل: شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ (اسیر مالٹا)۔ ترجمہ دوم: حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ

حوالہ نمبر ۳۴۳ الف قسم اوّل مجلد پارچہ ۲۵/۰۰ حوالہ نمبر ۳۴۴ الف قسم دوم مجلد پارچہ ۹/۰۰
〃 ۳۴۳ ب 〃 مجلد پشتہ چرم ۲۷/۰۰ 〃 ۳۴۴ د علیحدہ علیحدہ پارے مجلد ۳۰/۰۰
〃 ۳۴۳ پ 〃 مجلد پلاسٹک کور ۲۸/۰۰ 〃 ۳۴۵ الف قسم سوم مجلد پارچہ ۴/۰۰
〃 ۳۴۳ د 〃 علیحدہ علیحدہ پارے مجلد ۳۶/۰۰ 〃 ۳۴۵ د علیحدہ علیحدہ پارے مجلد ۹/۰۰

نور افزا قرآن مجید معرّٰی عکسی۔ سائز طول ۱۰ انچ۔ عرض ۷ انچ، صفحات ۴۳۶،
دلکش کتابت، معیاری صحت، دیدہ زیب طباعت، ہر سطر کے نیچے باریک لائن

حوالہ نمبر ۳۰ الف قسم اوّل مجلد ۸/۲۵ حوالہ نمبر ۳۳ الف قسم دوم مجلد ۰۰
〃 ۳۰ د 〃 مجلد علیحدہ علیحدہ پارے ۲۰/۰۰ 〃 ۳۳ د علیحدہ علیحدہ پارے مجلد ۹/۰۰

نور افزا حمائل شریف معرّٰی عکسی۔ سائز طول ۷ انچ، عرض ۴½ انچ صفحات ۳۳۶
کتابت و طباعت دیدہ زیب اور صحت معیاری ہے۔ ہر سطر کے نیچے باریک لائن ہے۔

حوالہ نمبر ۱۳ الف قسم اوّل مجلد ۵/۰۰ حوالہ نمبر ۲۳ الف قسم دوم مجلد ۲/۰۰

نور افزا حمائل شریف معرّٰی عکسی جیبی، سائز طول ۴½ انچ، عرض ۳¼ انچ صفحات ۴
عکسی بلاکوں کے ذریعہ طباعت اور ہر سطر کے نیچے باریک لائن ہے زیر طبع

نور افزا قرآن مجید معرّٰی چوب قلم کلاں سائز مجلد ۲۵/۰۰	دعاء گنج العرش مترجم مکمل ۲
〃 پندرہ سطری متوسط سائز مجلد ۴/۵۰	دعاء گنج العرش مترجم عکسی رنگین ۳۷
〃 دس سطری متوسط سائز مجلد ۳/۷۵	دعاء گنج العرش مترجم عکسی ۰۰
〃 پنج سطری متوسط سائز مجلد ۳/۳۷	سورۂ یٰسین شریف مترجم عکسی رنگین ۲
نور افزا دوازدہ سورہ شریف مترجم کلاں عکسی مجلد ۲/۵۰	سورۂ یٰسین شریف مترجم عکسی ۰۹
〃 〃 〃 خورد عکسی مجلد ۲/۰۰	سورۂ کہف مترجم عکسی رنگین ۲۷
نور افزا پنج سورہ شریف مترجم خورد مجلد ۱/۰۰	سورۂ فتح مترجم عکسی رنگین ۱۲
〃 دہ سورہ شریف معرّٰی کلاں مجلد ۱/۱۲	سورۂ انعام معرّٰی کلاں عکسی ۲۸

محمد سعید اینڈ سنز تاجران کتب قرآن محل مقابل مولوی مسافر خانہ کراچی

سیاسیات

ازالۃ الخفاء اردو کامل در دو جلد مجلد	حضرت شاہ ولی اللہ	۲۶/۰۰
امامت عظمیٰ اردو مجلد	علامہ سید رشید رضا	۳/۰۰
احکام سلطانیہ اردو مجلد	علامہ ابوالحسن ماوردی	۶/۰۰

فقہ و عقائد

عقد الجید مترجم عربی مع اردو مجلد	شاہ ولی اللہ	۲/۶۲
سعیدی بہشتی زیور مکمل ومدلل کاغذ گلیز مجلد	علامہ تھانوی	۱۸/۰۰
سعیدی بہشتی زیور مکمل ومدلل کاغذ رف مجلد	علامہ تھانوی	۱۴/۰۰
بہشتی زیور حصہ ۱۱ مع ضمیمہ بہشتی بہشتی جوہر	علامہ تھانوی	۰/۶۶
فتاویٰ عبدالحیٔ اردو کامل مبوب مجلد	مولانا عبدالحیٔ	۱۵/۵۰
فتاویٰ رشیدیہ کامل مبوب مجلد	مولانا رشید احمد گنگوہی	۱۰/۵۰
احسن الفتاویٰ کامل مبوب مجلد	مولانا رشید احمد لدھیانوی	۱۴/۵۰
الحیلۃ الناجزہ مجلد (مسائل نکاح وطلاق)	علامہ تھانوی	۴/۵۰
مفید الوارثین مجلد (قانونِ وراثت)	مولانا اصغر حسین	۳/۷۵
صفائی معاملات	علامہ تھانوی	۰/۵۰
آدابُ المساجد	مفتی محمد شفیع	۰/۵۶
تقویت الایمان	مولانا اسمٰعیل شہید	۰/۹۴
المہند علی المفند (عقائد علمائے دیوبند)	مولانا خلیل احمد	۰/۹۴
فاتحہ کا صحیح طریقہ	مولانا قاضی سید اسمٰعیل	۱/۰۰
حقوق الاسلام	علامہ تھانوی	۰/۳۰
مفتاح الجنۃ ۱/۰۰	خلاصۃ الفقہ	۰/۹۰
راہِ نجات ۰/۳۰	خلاصۃ النکاح	۰/۷۵

تصوف

فیوض الحرمین مترجم عربی مع اردو مجلد	شاہ ولی اللہ	۴/۵۰
خیر کثیر مترجم عربی مع اردو مجلد	شاہ ولی اللہ	۶/۰۰
البلاغ المبین مترجم فارسی مع اردو مجلد	شاہ ولی اللہ	۴/۵۰
تحفۃ الموحدین مترجم فارسی مع اردو	شاہ ولی اللہ	۱/۰۰
منہاج العابدین اردو مجلد	امام غزالی	۶/۰۰
تبلیغ دین اردو مجلد	امام غزالی	۳/۲۷
معرفتِ الٰہیہ اردو مجلد	شاہ عبدالغنی پھولپوری	۹/۰۰

لغات

مفتاح اللغات عربی اردو ڈکشنری مع ضرب الامثال ومحاورات مجلد (ابوالفتح عزیزی) ۰۰/...
لغات القرآن عربی اردو لغاتِ قرآن مجلد (قاری احمد) ۵۰/...

اصول تفسیر حدیث وفقہ

التحمد فی اصول التفسیر اردو مجلد (مولانا محمد مالک استاذ الحدیث ٹنڈو الٰہ یار) ۵۰/...
الفوز الکبیر فی اصول التفسیر مترجم فارسی عربی اردو مع فتح الخبیر مترجم عربی اردو (شاہ ولی اللہؒ) ۵۰/...
اصول حدیث اردو مجلد (مولانا امجد العلی صاحب سابق استاذ الحدیث مطلع العلوم رام پور) ۰۰/...
اصول فقہ اردو مجلد (مولانا حبیب الرحمٰن صدیقی کاندھلوی) ۵۰/...
احسن المسائل ترجمہ اردو کنز الدقائق (مولانا محمد احسن صدیقی صاحب) ۵۰/...
ترمذی شریف مترجم عربی مع اردو کامل در دو جلد مجلد (امام ترمذیؒ) ۰۰/...
صحیح بخاری شریف مترجم عربی مع اردو کامل در تین جلد مجلد (امام بخاریؒ) ۲۵/...
صحیح مسلم شریف مترجم عربی مع اردو کامل در تین جلد مجلد (امام مسلمؒ) ۰۰/...
سنن ابوداؤد شریف مترجم عربی مع اردو کامل در تین جلد مجلد (امام ابوداؤدؒ) ۰۰/...
مشکوٰۃ شریف مترجم عربی مع اردو کامل در تین جلد مجلد (شیخ ولی اللہؒ) ۷۵/...
انتخاب صحاح ستہ مترجم عربی مع اردو کامل مجلد (مولانا امجد العلی) ۷۵/...
موطا امام محمد مترجم عربی مع اردو کامل مجلد (امام مالکؒ بروایت امام محمدؒ) ۵۰/...
مسند امام اعظم مترجم عربی مع اردو کامل مجلد (امام ابوحنیفہؒ) ۵۰/...
کتاب الآثار مترجم عربی مع اردو کامل مجلد (امام اعظمؒ بروایت امام محمدؒ) ۵۰/...
ریاض الصالحین مترجم عربی مع اردو کامل در دو جلد مجلد (امام نوویؒ) ۰۰/...
موضوعات کبیر مترجم عربی مع اردو کامل مجلد (ملا علی قاریؒ) ۰۰/...

تجرید صحیح بخاری اردو مجلد	۱۰/۵۰	کتاب الایمان اردو	۷۵/...
سنن دارمی شریف اردو مجلد	۱۲/۰۰	کتاب الطہارۃ اردو	۷۵/...
کتاب الاخلاق مترجم اردو مجلد	۳/۰۰	کتاب الصلوٰۃ اردو	۷۵/...
کتاب المعاشرت اردو مجلد	۲/۲۵	کتاب الزکوٰۃ اردو، کتاب الجہاد	۷۵/...


رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نظامِ زندگی